بین الاقوامی معیار کا اردو، سرائیکی مجلّہ
مرجات
رحیم یار خان
میڈا اُٹھڑا ماندھوں کاک جا
شالا رانا ایندم رات
کاک کنڈھن تے رل مل ماندوں
ساون دی برسات
کیہی وڈڑی ویہہ گیوہاں تے
دل نہ پایو جھات
سچ ڈس جو کجھ کیتی ایہا
ماڑ دی باقی مرجات؟
(خواجہ فرید)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم

بین الاقوامی معیار کا اردو، سرائیکی مجلّہ

رحیم یار خان

سالانہ 200 روپے | فی پرچہ 20 روپے

چیف ایڈیٹر مقبول احمد دھریجہ | ایڈیٹر علامہ اجمل مزاری
سرکولیشن منیجر بشیر احمد دیوانہ | آرٹ ایڈیٹر آصف مقبول دھریجہ

سلسلہ نمبر ۲ | اکتوبر، نومبر 2001ء | پہلا سال

برائے رابطہ: دفتر مہینہ وار مرجات رحیم یار خان، الفاظ پرنٹنگ پریس۔پریس مارکیٹ رحیم یار خان

ترتیب

آئینۂ وطن

علامہ اجمل مزاری

- جناب معین الدین حیدر اور جناب محمد میاں سومرو کیلئے لمحۂ فکریہ ایس ۔ ایس پیز صاحبان کو ''کمدار'' بننے سے بچایئے
- جناب مخدوم احمد محمود صاحب ضلع ناظم رحیم یار خان ''ضلع کے غریب عوام ایک معمولی ریلیف کے طلب گار ہیں''
- جناب میاں بشیر احمد صاحب تحصیل ناظم صادق آباد اہالیان ارائیں کالونی کی طرف بھی ایک نظر

جناب معین الدین حیدر وزیر داخلہ اور جناب میاں سومرو گورنر سندھ کیلئے لمحۂ فکریہ ایس ۔ ایس ۔ پیز صاحبان کو ''کمدار'' بننے سے بچایئے۔

میرے محترم حاکمو۔ آپ بھی پاکستانی ہیں ۔ ہم (عوام) بھی پاکستانی ہیں ۔ آپ اور ہم پاکستان میں برابر، برابر کے حصہ دار ہیں ۔ اور جس قدر آپ کو پاکستان سے محبت ہے ہم کو بھی اسی قدر محبت ہے آپ بھی پاکستان کیلئے ہر قربانی دے سکتے ہیں اور ہم بھی پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں ۔ کیونکہ پاکستان آپ کا بھی گھر ہے اور ہماری بھی جائے پناہ ہے لیکن یہ گھر (پاکستان) دو منزلہ ہے ۔ بالائی منزل اور نچلی منزل ۔ ! بالائی منزل رشک جنت ہے ۔ جہاں واقعی شہد اور دودھ کی نہریں بہتی ہیں ۔ جہاں ہر قسم کی نعمتیں اور آسائشیں میسر ہیں ۔ جہاں بے فکری اور عیش ہی عیش ہے ۔ اور نہ جہاں بھوک کے آسیب کا سایہ ہے ۔ نہ جہاں بیماریوں کی عفریت کا دور دورہ ہے اور نہ جہاں بدامنی کے دیو کا راج ہے ۔ نہ مسائل و مشکلات کی بہتات ہے جہاں یوٹیلٹی بلوں کے لئے بچے گروی رکھنے نہیں پڑتے ۔ غرضیکہ جہاں ہر روز، روز عید اور ہر شب شب برات ہے ۔

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین ست و ہمین ست و ہمین است

اور نچلی منزل مسائلستان کا ایک گھنا جنگل ہے ۔ اور مسائل و مشکلات کی وجہ سے اس منزل نے عقوبت گاہ کی شکل اختیار کر لی ہے ۔

یہاں بھوک کے آسیب کی شاہی، بیماریوں کی عفریت کی حکمرانی اور بدامنی کے دیو کا راج ہے ۔ اور یہاں کے باسی نہ اپنے گھروں میں محفوظ ہیں اور نہ گھروں کے باہر ۔ اور نچلی منزل والوں کی تمام آمدنی

ڈاکوؤں کو تاوان دینے تھانوں کو خراج ادا کرنے اور عدالتوں کو نذرانے پیش کرنے پر صرف ہو جاتی ہے۔ اور یوٹیلیٹی بلوں کی ادائیگی کے لئے بچے گروی رکھنے پڑتے ہیں اور نچلی منزل والوں کو بظاہر جو سہولتیں میسر ہیں حقیقت میں وہ سہولتیں نہیں بلکہ مصیبتیں ہیں اور ان کے مسائل و مشکلات کی فہرست کافی طویل ہے۔ ایک شذرے میں اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

میرے محترم حاکمو! آپ بالائی منزل کی اعلیٰ مخلوق ہیں اور ہم نچلی منزل کے حشرات الارض ہیں چنانچہ آپ کی اور ہماری دنیا جدا جدا ہے۔ اسلئے آپ کو ہمارے مسائل کا قطعی ادراک نہیں ہے اور آپ ہمارے مسائل کے حل کے لئے جو اقدامات کرتے ہیں۔ ان اقدامات سے ہمارے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید الجھ جاتے ہیں۔ مثلاً آپ نے جو نیا نظام وضع کیا ہے اور نوکر شاہی کے ساتھ ساتھ ناظم صاحبان کا ایک ٹولہ بھی ہم پر مسلط کر دیا ہے۔ اسطرح ہم ایک دگنے عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ان ناظم صاحبان کا تعلق بھی بالائی منزل یعنی اعلیٰ مخلوق سے ہے جو ہم نچلی منزل والوں کو اپنا مزارعہ اور رعایا سمجھتے ہیں۔ اور ان کی نظر میں ہم کیڑے مکوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ خدا کی قسم وہ اپنے گھوڑوں اور کتوں کو ہم سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور ان کے گھوڑوں اور کتوں کو جو آسائشیں حاصل ہیں ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ موجودہ ناظم صاحبان سات پشتوں سے ہم غریبوں کا استحصال کر رہے ہیں۔ کیا ہم ان علاقائی لٹیروں سے کوئی خیر کی توقع رکھ سکتے ہیں آپ نے خود نوٹ کیا ہوگا اور آپ تک رپورٹیں بھی پہنچیں ہونگی کہ جس دن سے ان ناظم صاحبان نے چارج سنبھالا ہے۔ عوام کے حقوق و مراعات کی کوئی بات نہیں کی بلکہ ذاتی مراعات اور اختیارات کے لئے واویلا کر رہے ہیں اور ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ پولیس کا محکمہ بھی ان کے سپرد کر دیا جائے حقیقت میں وہ یہ مطالبہ عوامی مفاد کے لئے نہیں کر رہے۔ کیونکہ تھانے جس اتھارٹی کے ماتحت بھی ہوں مگر مستقبل قریب میں موجودہ تھانہ کلچر کا خاتمہ ممکن نہیں دراصل ناظم صاحبان تھانوں پر قبضہ اسلئے کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ پورے ضلع میں ان کی ''سکھا شاہی'' قائم ہو جائے۔ اور تھانیدار ان کے ذاتی ملازم اور ایس۔ ایس پیز ان کے ''کمدار'' بن جائیں تاکہ بقول پنجابی شاعر

گلیاں ہون سنجیاں جتھے مرزا یار پھرے

چنانچہ آپ سے ہم دردمندانہ گزارش کرتے ہیں۔ کہ ناظم صاحبان کو تعمیری، ترقیاتی اور اصلاحی کاموں کے اختیارات تک محدود رکھیں۔ اور پولیس کو ان کے دستبرد سے محفوظ رکھیں۔ اور ایس۔ ایس پیز کو ان کے ''کمدار'' ہونے سے بچائیں۔! ورنہ ایماندار، دیانتدار اور نڈر پولیس افسران ناظم صاحبان کے کمدار بننے کی بجائے ملازمت چھوڑنے کو ترجیح دینگے۔ اور اسطرح انتظامی ڈھانچے کی بنیادیں ہل جائینگی۔! اور اس کے علاوہ پولیس کو استعمال کر کے اپنے مخالفین کے خلاف حشر برپا کر دینگے۔ ''ڈرو اس سے جو وقت ہے آنیوالا''

☆ جناب مخدوم احمد محمود ضلع ناظم رحیم یار خان

ضلع کے عوام ایک معمولی ریلیف کے طلب گار ہیں

جناب مخدوم صاحب۔! آپ ایئر کنڈیشنڈ محلات میں قیام فرماتے ہیں اور ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں۔ اسے لئے آپ کو ہم غریبوں کے مسائل۔ مشکلات اور تکالیف کا کماحقہ ادراک نہیں ہے۔

تو اے کبوتر بام حرم چہ میدانی
تپیدن دل مرغان رشتہ برپارا

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عوام کے ساتھ آپ کا رابطہ صرف الیکشن کے ایام میں ہوتا ہے۔ اور الیکشن کے موقع پر ہی آپ عوام کے خادم بن جانے کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ اور الیکشن کے بعد آپ عوام کا

آقا بھی نہیں بنتے ۔!

اور ہماری گزارش اور خواہش ہے کہ آپ ہمارے آقا ہی رہیں ۔اور خادم بننے کی تکلیف نہ کریں ۔کیونکہ خادمیت شہزادوں کی شایان شان نہیں! اور آقا کا اصطلاحی معنی خبر گیری کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے او راگر آپ ہماری ''خبر گیری'' فرماتے رہیں اور ہماری مشکلات سے غافل نہ ہوں تو اس سے زیادہ ہماری خوش قسمتی اور کیا ہوگی امید ہے کہ آپ غریب عوام کیمسائل و مشکلات کے حل کے لئے پوری کوشش فرمائیں گے اور ضلع کے غریب عوام کی طرف سے اس وقت صرف ایک چھوٹا مسئلہ پیش خدمت ہے! جس کے لئے نہ کسی فنڈ کی ضرورت ہے اور نہ اوپر سے منظوری لینے کا پرابلم ہے اور صرف آپ کے ایک اشارے سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے ۔اور ہزاروں غریب لوگ روزمرہ کے اس عذاب سے نجات حاصل کرسکتے ہیں ۔وہ مسئلہ یہ ہے ۔

رحیم یارخان اور صادق آباد سے جو لوکل بسیں ۔ویگنیں اور ہائی ایسز مختلف شہروں ۔قصبات اور چاکوک مثلاً کشمور ۔گڈو ۔ماچکہ ۔مرید شاخ ۔اوباوڑو ۔ڈہرکی ۔مثھار ۔ٹلو بنگلہ ۔سون میانی ۔بھونگ ۔رحیم یارخان اور جمال الدین والی وغیرہ لائنوں پر چلتی ہیں ۔ان نام نہاد چھوٹے ٹرانسپورٹروں (ڈرائیوروں ۔کلینزوں) نے تہری اندھیر نگری مچا رکھی ہے ۔اور تین طرح سے روزانہ ضلع کے ہزاروں لوگوں (جن میں چھوٹے دکاندار عدالتوں میں پیشیاں بھگتنے والے سائل ۔مریض و بیمار ۔چھوٹے ملازم شامل ہیں) کا ذہنی اور مالی استحصال کررہے ہیں ۔

(۱) اپنی مرضی کے مطابق ڈبل کرایہ وصول کرتے ہیں (۲) مقررہ تعداد سے ڈبل سواریاں بھیڑ بکریوں کی طرح گاڑیوں میں گھسیڑ دیتے ہیں (۳) اور کسی ٹائم کے پابند نہیں ۔بیدردی سے وقت ضائع کرتے ہیں ۔خواہ کسی پیشی پر جانے والے کی ضمانت ضبط ہوجائے یا کسی مریض کی حالت خراب ہوجائے یا ملازم وقت پر دفتر نہ پہنچ سکیں ۔ان کو قطعاً احساس نہیں ہوتا ۔اور یہ کسی اخلاقی روایت اور قانون کے پابند نہیں ہیں اور ہر معاملے میں غنڈہ گردی سے کام لیتے ہیں ۔اور اگر کوئی شریف آدمی ان کے بے رحمانہ رویہ پر احتجاج کرے تو اس کی توہین اور بے عزتی کرنے سے بھی نہیں چوکتے ۔اور غریب لوگوں کو مجبوراً ان سواریوں پر سفر تو کرنا پڑتا ہے لیکن ان کی حالت قابل رحم ہوتی ہے!

اور ہم عرصہ دراز سے اس انسانی مسئلہ کی طرف متعلقہ افسران کی توجہ مبذول کرارہے ہیں لیکن کسی ذمہ دار افسر نے بھی خاطر خواہ نوٹس نہیں لیا ۔اور ٹریفک پولیس کا محکمہ تو انتہائی غیر ذمہ دار ۔بے درد اور عوام دشمن محکمہ ہے ۔ان کو صرف اپنے ماہانہ بھتہ سے غرض ہے اور فرائض منصبی سے کوئی غرض نہیں ۔اس لئے آخری امید کے طور پر عوام کا یہ مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل موثر اور مستقل اقدامات کی ضرورت ہے ۔

(۱) ان کو جائز اور قانونی کرایہ لینے کا پابند کیا جائے اور مجاز اتھارٹی کی منظوری کے بغیر کرایوں میں اضافہ نہ کریں اور کرایہ نامہ کی فہرست گاڑی میں نمایاں جگہ پر چسپاں کردیں اور کرایہ نامہ پر کسی مجاز آفیسر کے دستخط ہوں (۲) مقررہ تعداد کے مطابق سواریاں بٹھائیں ۔اور مستورات کی سیٹیں علیحدہ ہوں (۳) بھونگ اور جمال الدین والی لائنوں پر بسوں کے ساتھ ساتھ ہائی ایسز سروس کی بھی اجازت ہونی چاہئے تاکہ صرف بسوں والوں کی اجارہ داری نہ رہے ۔اور تیز رفتار سروس سے بھی عوام بہرہ ور ہوسکیں ۔اسلئے ان لائنوں پر ہائی ایسز سروس یقینی بنانے کا حکم صادر فرمائیں ۔

جناب والا! ضلع کے غریب عوام جو آپ کے مستقل ووٹر بھی ہیں ۔اس معمولی ریلیف کے طلبگار ہیں ۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

بحضور جناب میاں بشیر احمد صاحب تحصیل ناظم صادق آباد

"ابابیان ارائیں کالونی کی طرف بھی ایک نظر"

جامع مسجد گلزار مدینہ ارائیں کالونی صادق آباد بہت بڑی مسجد ہے اور اس سے ملحق مکتب اور دینی مدرسے بھی ہیں۔ اور کے۔ ایل۔ پی روڈ سے مسجد گلزار مدینہ تک پختہ سڑک اور سیوریج کافی عرصہ سے منظور شدہ ہے اور کئی دفعہ بجٹ میں رقم مخصوص ہوئی ہے۔ اور ٹینڈر نوٹس بھی شائع ہوئے ہیں۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر آج تک اس اسکیم پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ ارائیں کالونی کے مشرقی سرے پر بھی پختہ سڑک اور غربی سرے پر بھی پختہ سڑک ہے۔ اور صرف درمیان میں مسجد شریف والی سڑک کچی اور ناہموار ہے۔! اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جامعہ مسجد گلزار مدینہ کے بانی اور متولی الحاج حافظ غلام حسین صاحب خادم مسجد نبوی ﷺ مدینہ منورہ ہیں اور حالیہ الیکشن کے موقع پر حافظ صاحب موصوف آپ کی کامیابی کے لئے مسجد نبوی میں دعائیں کرتے رہے اور آپ ان کی دعاؤں کی بدولت تحصیل ناظم بن گئے ہیں اور اب آپ پہلی فرصت میں مسجد شریف والی سڑک اور سیوریج پختہ تعمیر کرا کے مزید دعائیں حاصل فرمائیں۔ استحقاق اور میرٹ کی بنیاد پر بھی اس کام کو اولین ترجیح حاصل ہے اور دوسری گزارش یہ ہے کہ گلی نمبر 1 ارائیں کالونی میں واٹر سپلائی لائن موجود ہے لیکن پانی نہیں پہنچتا۔ اور پانی کے بغیر اس گلی کے مکین شدید تکلیف میں مبتلا ہیں عرصہ دو سال سے یہ مسئلہ بلدیہ کی اسکیموں میں سرفہرست ہے۔ اور دو تین بار اسٹیمیٹ کی رپورٹیں بھی ہو چکی ہیں۔ اور سابقہ ایڈمنسٹریٹر صاحبان موقع پر بھی آتے رہے اور یقین بھی دلاتے رہے کہ دو تین ماہ میں یہ مسئلہ حل کر دینگے۔ مگر مسئلہ حل نہ ہوا حقیقت میں اگر چھوٹی لائن کو بڑی لائن میں تبدیل کر کے غفور آباد سے ارائیں کالونی کی لائن علیحدہ کر دی جائے تو پانی کا یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو سکتا ہے اور ابابیان کالونی ایک بڑی تکلیف سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

امید ہے آپ خصوصی توجہ فرما کر ہنگامی بنیاد پر اس مسئلہ کو حل فرمائیں گے

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

جناب مخدوم سید احمد محمود صاحب

ضلع ناظم رحیم یار خان

جناب میاں عبدالستار صاحب

ضلع نائب ناظم رحیم یار خان

سلطان العاشقین حضرت خواجہ غلام فریدؒ دی پہلی محبت

"ابتدائی عشق دا قصہ"

علامہ اجمل مزاری

> چھوٹے لا دی دل مٹھڑی۔ ہتھوں ناز برو چل دے کٹھڑی
> اجاں ڈٖتے نہ ہانس سکھ وے میاں

عربی فارسی۔ اردو۔ سرائیکی زبان دے محقق تے مؤرخ علامہ میر حسان الحیدری صاحب جناب محمد اسلم میتلا صاحب (سابق جج) دی کتاب فرید نامہ دے دیباچے اچ لکھے جو میتلا صاحب عمیق تحقیق کر تے پہلی واری حضرت خواجہ غلام فریدؒ دی ننڈھی اہلیہ روہی والی بی بی دا صحیح ناں لکھے۔ نا تاں خواجہ صاحب دی شخصیت آتے شاعری تے تحقیق کرن والے اکثر محققین بی بی صاحبہ داناں صحیح نہیں لکھیا۔

سبحان اللہ قربان ونجاں اتھے محققین کرام دے ناں تے جہناں روہی والی بی بی داناں ای صحیح نہیں لکھیا بیا کیا صحیح لکھیا ہوسینے۔؟ حالانکہ محترم بی بی صاحب مرحومہ خواجہؒ صاحب دی وفات تے بعد کئی سالیں تئیں حیات رہی اے اتے روہی والی بی بی صاحبہ ایں قدر مشہور ہستی ہئی جو خواجہؒ صاحب دے معتقدین مردیں، عورتیں تے بالیں کوں وی اوں دے ناں دا علم ہا جئیں بی بی دے نال خواجہؒ صاحب دے عشق دے واقعے چاچڑاں شریف دی خواجگی مسند کنوں لاتے بہاولپور دے شاہی تخت کوں لوڈ چھوڑیا۔ کیا او بی بی گجھی رہ سگدی ہئی۔ اتے وسیب دے لوک اوں دے ناں کنوں بے علم رہ سگدے ہن اگر اتجھی مشہور بی بی دے ناں کنوں وی محققین صاحب لاعلم ہن تاں ول قسمت دی گالھ ء۔ جو حضرت خواجہؒ صاحب کوں ایجھے محققین لکھئے پے ہن۔ پر حضرت شاہ عبداللطیفؒ دے حصے اچ تاں علامہ ڈاکٹر داؤد پوتہ۔ محقق گر بخشانی اتے ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ جیھے بحرالعلوم محقق آئن جنھیں بحر لطیفی اچ ٹبی مار تے تل اچ پے ہوئے موتی۔ لعل تے ہیرے کڈھ تے کاغذیں دے سینے تے کھنڈیر ڈتونے جنھیں دی چمک کوں ڈٖیکھ تے یورپی محققین دیاں اکھیں وی پٹیج گن اتے اساڈے محققین یوسفؑ، زلیخاں دی کتاب ختم کرن دے بعد زلیخا دی جنس ودے بچھدن۔!

ہن روہی والی بی بی صاحبہ دا ذکر ٹرپے تاں ایں سلسلے اچ ہک ڈٖوں بیاں گالھیں وی یاد آ گن۔ انہاں گالھیں دے راوی حضرت

فقیر عمر بخش مرحوم جو حضرت خواجہؒ صاحب دے ابتدائی شاگرد تے حضرت نازک کریمؒ دے مرید تے حضرت خواجہ مولانا نور احمدؒ فرید آبادی دے خلیفے ہن ۔ فقیر صاحب ہن تاں چاچڑاں شریف دے پاسے دے پر انہیں حیاتی دا ڈھیر حصہ احمد پور لمہ وچ گزاریے اتے اتھائیں اللہ کوں پیارے تھن ۔ انہاں دی قبر اپنی رہائش گاہ نال احمد پور لمہ وچ موجود اے۔

ول حضرت فقیر عمر بخش صاحب دے بیان کردہ روایات دی میڈے پیر حضرت سلطان بالا دین اویسی رحمتہ اللہ علیہ تائید فرمائی ہئی حضرت صاحب دی روایات دے مطابق روہی والی بی بی صاحبہ خواجہ عبدالخالق اویسی رحمت اللہ علیہ دے عرس تے آندی ہئی تے میڈی اماں سین نال حال حوال ونڈیندی ہئی اپنی شادی دے تے خواجہ صاحبؒ نال اپنی زندگی گزارݨ دے بارے اچ گالھیں ڈیندی بائی ۔ میں او تمام گالھیں کن ڈھرے تے سچ دا ہم او گالھیں میکوں ۔۔۔ چنگیاں لگدیاں ہن ۔ تو ڑیں جو میں چھوٹا بال ہم پر او گالھیں میکوں اج تائیں یاد ہن ۔ اویسی حلقئیں اچ اے گالھ مشہور ہئی جو خواجہ سلطان بالا دین سئیں بالپݨ اچ ذہین، فطین، عقلمند ہن بزرگی دے آثار انھاندی پیشانی تے نشابر ہن ۔

او ہے گالھیں روہی والی بی بی صاحبہ دیاں زبانی سݨو!

اساں غریب مال وندو روہی واس ہاسے ۔ پاݨی دے ٹوبھیں دے نال چونڑے اڈ تے بہہ ویندے ہاسے ۔ اتے مال دے کھیر مکھݨ تے اسیڈا گزارا ہا ۔ اساں سینگیاں جیڑیاں جنہیں ٹوبھے کنوں پاݨی بھریندیاں ہاسے ۔ خواجہ صاحب دی جماعت وی اتھائیں آن تمبو لاتے ہن میڈیاں جندیاں جیڑیاں ہن میں سبھ کنوں زور آور تے قد آور ہم میڈا ناں تاں پیو ماجاں رکھیا ہا شیت اساڈی کہیں وڈی داناں جاݨ ہا ۔ پر جیڑیاں میکوں جانو جانو سڈیندیاں ہن ۔

میڈیاں باقی جیڑیاں تاں ٹوبھے کنوں پاݨی بھرتے بیکھڑ (اتے تلے ڈوں گھڑے) چاتے ٹردیاں ہن ۔ پر میں سر تے اتے تلے ترۓ گھڑے رکھ تے ہتھ چھوڑ تے ٹردی ہم ٹوبھے دے نال اچے بٹے تے خواجہؒ صاحب دا دیرہ ہا شیت انہیں میکوں ڈیکھدا ہوسے ۔ میڈے بھاگ جاگ پے ہوسن جو میں انھاں کوں پسند آ گئی ہوساں ۔ حیا دا زمانہ ہا ۔ کنواریاں دھیریں دے رشتے پیو ماما اچ کریندے ہن ۔ جو کنواری بالڑی دے کنیں کو نہ پوے ۔ ! میکوں وی بہوں دیر دے بعد پتہ پیا ہا جو میڈے رشتے دی خاطر وڈا پھلپھوٹ پیا پے ۔۔۔ خواجہ صاحبؒ جڈاں روہی اچ دیرہ لیندے ہن تاں حد کنوں زیادہ سخاوت کریندے ہن ۔ انھاں دا لنگر تاں رات ڈینہہ چالو رہ ویندا ہا ۔ جتلے روہی واس ہن لنگر کنوں روٹی گھندے ہن او آپ کھاتے بال بچیں کیتے روٹی چائی آندے رہندے ہن لنگر اچ زردے پلاء پکدے ہن اے کھاݨیں روہی واسیں کوں قسمتی نصیب تھیندے ہن ۔ خواجہؒ روہی واسیں کوں کپڑا لتی تے دواداروں واسطے پیسے وی ڈیتی رکھدے ہن ایویں خواجہ صاحب جے تائیں روہی اچ رہندے ہن روہی واسیں دی عید ہوندی ہائی ۔ تیں سانگے روہی واس دعائیں منگدے ہن جو خواجہ صاحبؒ ساری عمر روہی اچ رہ ونجن ۔

جہاں خواجہ صاحب روہی واسیں کنوں میڈا سنگ منگیا تاں روہی واسیں دی اے آس پوری تھی گئی ۔ سارئیں بہہ تے پرھی کیتو نے جو خواجہ صاحب کوں نہ ہاں کروں نہ نانہہ ۔ جو آ سرے اچ اتھائیں دیرے لائی پیا ہووے ۔ تاں اساں ایویں پلدے رہ ونجوں انہیں جیویں پرھی کیتی اوویں کر ڈکھایو نے بارھاں تیرھاں سال تک نہ ہاں کیتو نے نہ نانہہ ۔

خواجہ صاحبؒ دے مرید وڈے آدمی ہن او ہے امیر تے رئیس جڈاں میڈے پیو کوں آتے منت کریندے ہن ۔ جو خواجہ صاحبؒ

کوں اپنی بالڑی دا رشتہ ڈے تاں ابا آکھدا ہا میکوں اپنی برادری اچوں وٹہ گھناڈیو میں سنگ ڈیون کیتے تیار آں۔ او بے امیر جنہاں ساڈی برادری والیں نال وٹے ڈیون دی گالھ کریندے ہن تاں او جواب ڈیندے ہن جو اے چیز اساڈی ریت تے رسمیں دے خلاف اے اساں نہ ڈھیریں وچیندوں نہ غیر دے وٹے اچ ڈیندوں۔ کئی سالیں تائیں ایں اڑی تے چڑھئے رہ گن تے ایں گالھ کوں گنڈھ ڈتی رہ گن۔ او تاں خواجہ صاحب دے مرید تے معتقد وڈے وڈے اختیاری والے حاکم۔ قومیں دے سردار۔ جاگیردار تے ملکیں دے نواب ہن او زور دھل نال سب کجھ کر سگدے ہن اساں غریب روہی واس کجھ جو گے نہ باسے پر خواجہ صاحب دا حکم با جو زور دھل کنوں اصلوں کم نہ گھنو۔ رشتے ناطے مہر محبت دے سودے ہوندن۔ جڈاں ماملا ڈھیر ڈرگھا تھی گیا تاں ول خود بہاولپور دا نواب صاحب تے اوچ شریف دا وڈا پیر روہی آ گن۔ نواب صاحب تے پیر صاحب میڈے پیو کوں سڈوا تے آکھیو نے جو توں وٹہ منگدیں نہ اے آکھیا با سائیں مہربانی کرتے میکوں وٹہ گھناڈیو۔ نواب صاحب تے پیر صاحب جواب ڈتے جو تیڈی برادری والے تاں وٹہ ڈیون کنوں نانہہ مکر تھی گن۔ پر اساں تیکوں وٹہ ڈیندوں ڈس جو وٹے اچ دادپوتری گھنسیں یا سیدزادی۔!

اے گالھ سن تے میڈا پیو تاں ہکا بکا تھی گیا۔ تے اوندی ڈکڑیں چھٹ پئی تے نواب صاحب دے پیریں ڈھے پیا تے آکھیس میں تساڈا غلام ہاں میں اپنی بالڑی دا سنگ خواجہ صاحب کوں ڈے ڈتم۔ بس ایندے بعد خواجہ صاحب نال میڈا پرنا تھی گیا۔ جاں کنوں میں جان بی بی بن گئیم روہی دے ہبے ٹوبھے چونرے چھوڑ تے چاچڑاں شریف آ تے پیر کور تیجے دی حویلی مانڑیم!

اے تاں ہائی حضرت فقیر عمر بخش مرحوم تے خواجہ سلطان بالا دین ہنیں دی مشترکہ تے متفقہ روایت!

ہن حضرت خواجہ غلام فرید رحمت اللہ علیہ تے حضرت جان بی بی صاحبہ دی شادی کنوں بعد دے کیفیت دی بارے اچ حضرت خواجہ سلطان بالا دین رحمت اللہ علیہ دی ہک روایت پیش کریندا ں۔ جو بالکل حق تے سچ ہے حضرت جان بی بی صاحبہ دی مونہوں ئیتی گالھ اوں ہے شادی تھیون دے بعد میکوں پیکے گھر کنوں چاچڑاں شریف گھن آئن اتھاں ہک وڈا کمرہ میڈے کیتے سنگاریا گیا با۔ اوں کمرے دے اندر ہک سنگریل سیج دے اتے میکوں آن بلھایو نے۔ رات کوں خواجہ صاحب میڈے کمرے اچ تشریف گھن آئن آتے میڈے ساحمیں بہہ گن شرم کنوں میں گھنڈھ کیتی بیٹھی ہم آپ اپڑیں ہتھ نال میڈے مونہہ کنوں بوچھن دا پاند ہک پاسے کرتے میڈا پورا مونہہ کھول ڈتو نے' ول میڈی دید اچ دید رلا تے محویت دے عالم اچ بہہ گن۔ ایویں ادھرات ڈھل گئی تے خواجہ صاحب دی عبادت دا ویلھا آ گئے تاں آپ عبادت کیتے اٹھی اپنی عبادت گاہ اچ تشریف گھن گن ایں طریقے ایویں کئی راتیں گذر گن تاں ہک رات میں ہمت کرتے عرض کیتم۔ سائیں تساں میڈے چہرے اچ جیرھی شئے ڈیکھدے رہ ویندوہن تے وی نظر کرو۔ میکوں وی تساڈے چہرے اچ او شئے نظر آوے خواجہ سئیں اکھیں بند کرتے میڈے طرف توجہ فرمایوں نے تاں خواجہ صاحب دا چہرہ میڈی اکھیں کنوں غائب تھی گے تے انھاں دے چہرے دی جاہ تے میکوں ہک روشنی دا ٹکڑا نظر آئے او اتنا روشن ہا جو پورا کمرہ روشن تھی گے کمرے دیاں دیواراں وی میکوں نہ نظر دیاں ہن صرف روشنی ای روشنی ہئی۔ میڈا پورا جسم وی اوں روشنی کنوں بھر تج گئے اوں وقت میکوں ایویں محسوس تھے جو میں ایں دنیا کنوں نکل تے بی دنیا اچ پج گئی آں۔ پر اوں روشنی دا میڈے دل تے اتلا اثر پے جو میں اوں نظارے اچ مست تھی گئی آں ول تاں میکوں اے خبر وی نئیں پئی جو خواجہ صاحب کیڑھے ویلھے اٹھی تے عبادت گاہ اچ تشریف گھن گن۔ ایندے بعد

تاں میڈی دنیا ای بدل گئی ۔ عورت ہوون والی صفت وی میڈی ختم تھی گئی ۔ ایں سفلی دنیا دیاں ساریاں خواہشاں میڈے دل کنوں نکل گیاں تے میں خواجہ صاحب دی حقیقی صورت اچ فنا تھی گئیم خواجہ صاحبؒ تے پہلے مجاز کنوں حقیقت دی منزل اچ داخل تھی گے ہن ول خواجے صاحب دی توجہ نال میں وی مجاز کنوں حقیقت والی منزل اچ پج گیم خواجے صاحبؒ دی ظاہری حیاتی اچ میں انھاں دی حقیقی صورت دے نظارے اچ محو رہندی ہم اتے خواجہ صاحب دے وصال بعد وی اوہا صورت میڈی اکھیں دے سامھیں ہر وقت موجود ہے حضرت جان بی بی صاحبہ دے منہ زبانی بیان دا خلاصہ ہے ۔

ایں موقعے تے میکوں حضرت علامہ اقبال مرحوم دا ہک شعر یاد آ گئے تے ایں شعر میڈی طبیعت تے عجیب کیفیت تے حال پیدا کر ڈتے جو ایں شعر کوں بی بی صاحبہ دے قصے نال نفیس نسبت ہے !

حضرت جان بی بی صاحبہ وی بنیادی طور تے اہک پنہوارن (چرواہی) بکریاں چراون والی ہئی ۔ فارسی اچ چرواہے کوں شبان تے چرواہی دے کم کوں شبانی آکھدن ہن ایں مختصر تشریح دے بعد اہل دل تے اہل ذوق ایں شعر کوں توجہ نال پڑھن اتے غور کرن تاں کیویں اے شعر سولھاں آنے جان بی بی صاحبہ دے حال نال مطابقت رکھدے او شعر اے ہے :

اگر کوئی شعیب آئے میسر ۔ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

مطلب تاں اگر پیر کامل مل ونجے تاں دھنوالی (مال چراون) کنوں پیغمبری (اللہ تعالیٰ نال گالھ بول اللہ تعالیٰ تائیں رسائی) صرف ڈو وکھاں اے ۔

عشق مجازی کنوں، عشق حقیقی دی منزل تے پہنچن ٹے دے بعد بندے دی جیڑھی کیفیت ہوندی اے ۔ اتے قال کنوں حال دے مقام تے پج تے اوں دا جو حال ہوندے اوہو حال خود سلطان العاشقین

حضرت خواجہ غلام فریدؒ سئیں ڈسا گھن ۔

جیں رمز راول جی بجھی ۔ تن کھے مشاہدہ رات ڈین
نہیں جاتھاں افیون دی ۔ نہ بھنگ نہ معجون دی
جھاں سدھ رکھی بے چون دی ۔ نت مست رہے پیتے وتن
رل وسدے لوکاں نال ہن ۔ دراصل فانی بال ہن
ہر آن غرق خیال ہن ۔ شاغل سمھن شاغل اٹھن
نہیں ملک ملک تے مال دے ۔ نہیں زال دے نہیں بال دے
ہن ذوق وجد تے حال دے ۔ گم کرگماں یک سو رہن
جیں من اندر پایا پیا ۔ ڈکھ پاپ سارا مٹ گیا
تھی محو اثباتی تھیا ۔ رہندہ فرید فرید بن

میڈا موضوع تاں حضرت خواجہ صاحبؒ دی پہلی محبت ہائی ۔ پر گالھ ٹر پئی خواجہ صاحبؒ دے آخری عشق تے آخری محبت دی جیں عشق دے ذریعے حضرت خواجہ صاحب فنا فی العشق تے فنا فی اللہ دے مقام تے فائز تھن ۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

ایں طرح ''مرجات'' دے ایں شمارے اچ میڈا کوٹہ ختم تھی گے ۔

کاغذ تمام، قلم تمام، روشنی تمام ۔ مگر داستان عشق ابھی ناتمام ہے ہن انشاء اللہ حضرت خواجہؒ دی پہلی محبت دا قصہ اگلے شمارے اچ پیش کریسوں ۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

-------------علامہ اجمل مزاری

سرائیکی رہنما دانشور، سکالر، صحافی
نذیر خان لغاری

اپنے رضانہ کارانہ شاگرد، مفکر، عالم، ادیب، صحافی، سرائیکی سکالر تے سرائیکی نوازسئیں نذیر خان لغاری تے میڈے بلھپن تے جوانی دے یار محرم راز، ڈکھ سکھ دے سنگتی محقق، فاضل، ابوالبیان، علامہ میر حسان الحیدری سئیں دے ناں۔!

جیندیں یار وسار ڈتوے ظلم نہیں بیا کیا ہے
اساں سک صحیفے بھیجے کیتی نہ تساں پرواہ ہے
ساڈے تاں ہر دم دل اِچ وسدو رب، رسولؐ گواہ ہے
اجمل ڈاڈھیں نال کیا لیکھا جتھ نیاز دی جاہ ہے

مرزا غالب — حضرت خواجہ غلام فریدؒ

قادر الکلام — شاعر ہفت زباں

اساڈے سر چتے تھی وال کھس تے ٹلکن ڈیکن پے گئی اے، اکھیں کوں دھاپے آون پے گین۔ ڈند ادھ بھج بھر گئے بچدے کھڑاکدے کھڑن۔ وات ہتھ کنوں اگے ہتھ کنوں گرانہہ ڈیہہ پمدے چیلہ کپتی آن تھی اے۔ جنگھاں ولھڑدیاں وَدّن، ٹھک تکی تھی گئی اے چپ کرکدے وَدّن۔ سندھیں دا ساہ چھڑائی وَدے، لودکیں وچ آئے وَدّوں، چھن ہر ون تھی گئوں تے اجاں ڈاکدر بلوچ دی منو اوئیں دا اوئیں ٹھکیا پے لوریاپے، اصلوں ٹک مار گئے۔ وال اوئیں پٹھے لگے پئن، تدی مچھاں اتھیں دیاں اتھیں۔ سنجان ہرے کنوں پھری اسن۔ ڈوں سو ترئے سو کوہیں دی منزل مار تے جھنگ جھروی اوویں جیر دا چگدا ودے، سنجھ کچہری وچ بہندے اسٹر تولی چلدا نئیں۔ کچہری دا گھنڈا اے، جھوٹے تاں پچھے آ ای وینیدن، لورساگی تیر بیہہ در ہیٹے اگ آلی۔ سدھا سبب وی اوٹ دا اوئن، ناں نتھل ناں چرٹھیل، ڈڈ ہ جتلا نکتل ڈٹھا اسے ہک ڈو ڈا وت کیا دا ہک نل ایڈے او ڈے نہیں سُرسیا۔ الاون او ہے اٹھن بہن چیوں ڈیکھدے اندوں ڈیکھدے امدوں۔ چاندی آلا رُپایا اج وی ہتھ آوے وَجھوس تاں وَجھے، نچ نچ ہوندے کھوٹ سدائیں منجھل۔ ڈاکدر ستر آلا ہے اسی کوں وی بھیڑی وَدا ہووے تاں منناں پوسے۔ سچی چینی وانگوں چلکدا ودے۔ پیا کیا آکھا نس کُٹ دا سچا کٹورائے۔ واہ جوان تیڈے جتے، پڑھن لکھن بھجن دھرگن آ وَچ ڈے گھن کھاون پیون ہنڈاون دا وی نکڑائے۔ ڈوجھا گھر سٹھ کنوں اتے ہا تے کیتا ہس، متاں آکھو کھل اے۔ پیٹیندا تا

ہیٹھاں یارا ایہو جوان گئے کھدے تہاتے غزران اِس ہس کیا۔

بلوچ جیب سندھ کوں جیویں جاتے جیویں جیویں سانبھے، سو علامہ داؤد پوترہ آئی آئی قاضی ابراہیم جویو تے ہیں داناں سنداں پے گھنو ٹِگ بلوچ کوں پدھنی پوڑسے۔ میں تاں آپنڑی جنگی کالم تاں ہے پر آکھنڑ کنوں ناں رہیساں جو ہیں منزل تے تاں اُردو مَتُوئی عبدالحق وی ناں پُجّا ہوسے۔ کیویں جو اُردو تاں خیرال تکھنیں دی پلوڑ ہئی، بادشاہیں دے ہاں کوں وَنج لگی تے لیٹی، جھولیں وِچ کھیڈ کُڈ تے جوان تھی، بادشاہ جیڑھی بولی بولے ہر کوئی اُوہا آلیسے، بچڑیاں بولیاں تاں وَل گنڑ وِچ نیں آندیاں ڈتریج ویندیُن، مَردیاں وَل وی نیں پر سِسکدیاں تاوَدیاں ہوندیُن۔ بلوچ صیب سندھی دا سُدھ کنڑ ناں سَٹھّیا۔ علی گڑھ امریکہ جھا گہّس وَدِے تاں سندھی دی ناں سَٹنّس۔ "ہیلاین جابول" امریکہ وَحِیّنڑ کنوں اَگے جوڑ ہِنا گھدی ہس۔ عربیاں، فارسیاں، انگریزیاں سَبھے پڑھی وَدّا ہا پر ہاں تے پیؤ ہنس آپنڑے اُوہے سندھی بول جیڑھے اَنڑ پڑھ ریک دھنوال تے کسبی وَدِے جھنگ جھر روہ جبل وِچ گمدِن، بڑو ونٹو لیپے چوپے تے گھارِیں کنوں بچل تے نِترئل اِن، اُوہا بولی وِچ ڑئل ہیچرائل نیں ہوندی، نج تے سُتھرِی ہوندی اِے جوڑ تو نیں ہوندی جنہ کوں شہریں کھٹ لَسّی کر جاتا بلوچ صیب ہُنوں کوں گَل لاتا۔ جڈاں بلوچ سندھ لا پدھا ہا ہُوں محل لوک بولی لوک سَمّل لوک پینگار ناں ساری مَدڑی کوں "دیہقانی" کر گَنِیّس۔ اُوہو ڈینہہ! کانبا کَدِّھ تے آں چُنڑ پُنڑ تے ڈھکیا، چاپہی وَرھیّے کنوں کرہی پدھی آندے۔ وَستی وَستی گھر گھر ٹولیاں جا بَنالیونس۔ جتھوں کتھوں لوسّیں چَھلّیں، ڈوہڑھیں، بَیتیں دے وَسکار تھیّے۔ ہزاریں مونہیں کلام وَنڑ وَنڑ دی بوٹی آں گڈ بھی پر اَجیّنڑ ہٹر یہہ ناں پی مَرتے۔ پچھے آپ نِکنا۔ اَج اِتّھاں فَزریں اُتّھاں۔ ساری سندھ کوں جھاگ لَتار تے آں پہے ہے تاں لَکھیا، پُجدا نیں تے

ڈل لہندا پمدے۔ ایہیں لُنڈھاپ اِچ وَڈّے کا ڈھے کڈھیندا۔

اساڈے کنّیں ناں جنّیں، کیجھاں کچہریاں تے کیا دے مُنگھرے۔ ماسٹر فاضل دا اَبّا اُوئیں اِی مُتھّل ہا۔ ماسٹر صیب کُوں ہکّا تار نکّل ہئی، ڈاکدر بلوچ کُوں آناں، ڈاکدر بلوچ کُوں آناں۔ کُنڈ وِچ ہیہ تے بیسٹ بیٹ کِیتو نیں، اَساں کُوں تاں اُوں محّل مُندلی جیڑاں سوہنا آن لگّا۔ اُٹھ ڈَہ شعر کوئی مُہّر ہِن تے پنج چھی آپنڑے گوٹھ دے وِچار ڑے تے پے اَساں، میں ماسٹر فاضل، منشی احمد بخش تے اَبّا۔ پہر ماں ناں اَدھ پہر کھن بلوچ صیب شعریں نال ڈے گھن کِیتی۔ اَساں گُنا گُنڑا بیت سُنڑی وَدے ہاسے ہُنڑ سُنڑو ہے جو ایہے چھوڑے چار لول نیں اِے تاں ہِک ہِکے کلّی وِچ سوسو ڈھنگ رَنگ نکّل اِن۔ گھنا کر مُسلمانکیاں گالھیں، کتھیں صوفی کتھیں وَلیہیہ دِیاں کرماتاں، ہیر رانجھا، سسّی پنّوں، لیلاں مجنوں، مومل رانڑا۔ ہِک پے تے ساہ ڈیونڑ کھنا کرنڑ، دوداچنیسر وِی۔ پے اُٹھنڑ بہنڑ دے ڈُکھ سُکھ بجھارتیں وِچ نکّل ہِن، بجھارت دا بجھنڑ کالہہ کُوں بجھنڑ، کرنڑ وِی نہیں سُنڑنڑ دی گالھے۔ جِتلے تونڑی کچہری وِچ بہہ ناں ڈیکھو اُتلے تونڑی کچہری دی جانڑ ناں پَوسے ہر کچہری دا سِنگار وِی کچہری وِچ ہووے، کچہری جماونڑ بر ساونڑ وِی بلوچ صیب کُوں ڈاڈی آمدی اِے۔ بلوچ صیب وِی اَنڑ سیکھڑو ہا۔ لکّھُس جو میں جیڑاں آپنڑی گوٹھانڑی (دیہاتی) وِی اَکھُس لکھ پڑھ کُوں چاتم پچھّے آپنڑے جٹ بھرانویں کُوں سَنڈ تے ہِکے تھاں وِچ کھادم، ناں بیٹھم تے کچہری کرنڑ دے اَلابول سِکھیم۔ چھوڑا سِکھیا اِی ناں۔ کچہری دے پے پے نویں نویں بنڑا بنڑا لونیس۔ اَگّے ناں تاں بجھارت ڈے تے بہہ رہندے ہِن، ڈَگ ناں ڈیندے ہِن، ہُنڑ ڈَگ ڈیونڑ دی ریت بلوچ صیب گھت ڈِتّی اِے۔ سسّی اِے، مومل رانڑا کیھُوں اِے۔ تیئیں وِی جند ڈے تے بجھارت کوئی بجھتیں تاں بجھتیں جِتّی وَلّی دا کم نیں۔ کچہری داناں گھدّو وِے تاں پچھّے بلوچ صیب جانڑ تاں اَچھو لگّا۔ سندھو دی

کوئی کنڈ کچھ بلوچ صیب کنوں لکل میں تاں آکھساں کوناں ہوسے۔ گوٹھ گوٹھ گھٹی گھٹی وچ کچہری بکتی ہوسیس۔ ترہایا کھوہ کنیں ناں دریاہ آپ جھولیاں ڈیندا ہر جا تے وچ پچھدے: شگھڑ ہیں ہک ہے کوں کھکھولیا، گولیا۔ بجھارتیں دی ڈے گھن چھڑ شگھڑ ہیں ناں بلوچ صیب وی پڑا گھدا، بجھارت ڈے تے مُنشکے ہے بیٹھا۔ ادا لکھن موں وئی لکھن موں وئی دھکن موں وئی۔ اجاں ناں وئی، ادا تلھڑ، شولی، شوا، ڈندا، دھندا، ڈنڈھ، ڈھونگر گھوڑا گھوڑی بھینڈڑی تری رچھی چورنی چور، چورا، کوڑا کوڑا، ہانہی، چوڑی، چوڑا۔ اجاں ناں بھگی، اجاں بھتار بچے۔ واہ ادا واہ، بلے۔ بلے کوں گھنا ایجھا چھکے ہے بلوچ صیب جو جیس پی آوے ہے۔ ادا مولائی ادا فقیر اجاں کھڑی اے بجھارت۔ بھنوتاں منتوں۔ اوچتا نالے چنگا شر دے واتوں الاہے کیویں بجھارت بھگی کیویں ٹرٹی، بلوچ صیب ٹرپ مار وچ بھاکل پاتس، ادا مری وئی، بھاکل کیا ادا اصلوں چمبڑئیس وچ۔ ایہا آپت گیری اساں سارئیں دے ہاں کوں لگی۔ گھڑی دی گھڑی وچ ڈاڈھے ہینے دیاں وتھیاں میل ڈتونیس۔ ہک بھولڑے شگھڑ دیں جھکیں تے ڈاڈھا ٹھکیا بلوچ صاحب۔

بلوچ صیب تاں بادشاہ اے۔ سرائیکی دی وی دھم گھتی امدے، ورت حمل سرائیکی الائی اے سچل اے فلانا ئے فلانا ئے، تے ورت حمل تے مولوی لطف علی دی گھتو اے۔ کرسٹوفر شیکل جنہ کوں اساڈے سرائیکی مارکا کلھے تے چاتی ودن اوتاں آکھدے سرائیکی دھار لولی ہنڈی ودی اے اجاں۔ تے او ڈوں مت مار بھانویں کھوہ جتھاں جتھاں پکل بسلہ اساری وچ لگی اے اوں تے سرائیکی پکھیل اے۔ جام سکندر اول پنج سو تیں اُتے ستر ورھیے اگے ۱۴۱۴ء وچ شاہی تے بیٹھا ہا، اوندا ناں گنو پیندا ائے۔ پیلھیں آلے بیت انھیں گڈ کر گھندوں ڈاکدر بلوچ دی کتاب دا ناں اے "سندھی بولی ءِ ادب جی مختصر تاریخ"۔

سیلھاں سیلھ بند تھیاں پچھگیا نام نیر
کھوہ کھٹایا پُتر گا تمن دے اُنتڑ نام ہیر
وقت سکندر بادشاہ ملک دھنی پہلوان
رعیت راضی اجھی جو بُڈھا بنٹ جوان
ہِک لکھ سیلھاں لگ چکیاں تھیا کھو تمام
تریہہ اُتے سولوٹی باغ دی رادھی اُنتڑ جام

سیلھ تھیی تپھٹاری صابوناں کو ہاری ∴ دلو راء دی واری سیلھ پکی بل جانبھے تے
" تھینڑ والے تھیے سکندر دے وارے دی "
کوئی آکھے سیلھاں کنیں لکایاں دلو ناں کہاری
جانبھے دا بل بلایا' شاہ سکندر' داری،

بلوچ صیب ایہا ہِک ناں کئی پستکاں لکھیئن۔ چھوٹ پچھوٹ کوں ایکا ئی لکا آمدے۔ شاہ شریف بھاڈائی دا رسالہ' غلام محمد خانزئی دا رسالہ' لیلاں چنیسر' سوہنڑی میہار' نوری جام تماچی' ڈوردے بیتیں دا تھیا۔ ڈور دا ناں گھنڑ تاں سُھترائے' ایہا منزل جھاگ ڈیکھیں تاں کل پوری قدرت' سوالکھ پنجتنی امامت' ولیئیت تے پیاں دی اَجاں ڈور دیاں کئی دھراں ان۔ اگارے وی میں ایہا ٹکالم رکتی اے جو سارے سندھ دے تک وَنڈ' ٹولیاں تھیا' کنیں کوں آکھیس توں قصے گڈکر توں بیت توں بجھار تاں توں پے توں ہو۔ جیڈوں کیڈوں وَشکار تھی گے۔ سبھے کھنڈریل موتی گڈ بھینڈرے گے۔ اَجاں گول پھول بجھ گجھ چھوٹ پچھوٹ کنوں ہتھ کو نھیں نیں کڈھایا۔ نوں نک دا اُسارا تاں بلوچ منڈھ لا ڈاہے پیا۔ چھڑے بیت۔ سسی پنوں' مومل رانو' عمر ماروئی' سندھی موسیقی، سندھی گجاونڑ وَجاونڑ راگ بھاگ

وِچ وی بلوچ صیب آکھ تاں سلامت ہن آکھن نال مُہاڑا ڈیون جوگا ہا۔ ہاتاں کتاب چھپا مارئیس، رشماں رِیاں رِواز سُوتّن شوشڑ، ہینگری دے بار کیوں کڈھیندِن، بُڈھڑے دا اہتمام کیوں کریندے، ہنگراٹ دا پٹکا کیوں گھنیندے، ذری ذری بھور بھور کُوں گڈ کرتے ہینگارن، چھپواون کیتے "سندھی ادبی بورڈ" بھیج چھوڑا۔ سورٹھ راء ڈیاچ تے ہیر رانجھا، حمل فقیر دا سندھی سرائیکی کلام وی بلوچ صیب کنوں کیویں چُھکے ہئے۔ پچ ناں کوں وی ہتھ کنوں ناں وچن ڈِتّس۔ زیر زبر بنا تے سورئیس، جنہاں جنہاں کتاب کوں تُھک تھمبن کیتّس مُہاگ لکھیس حد مکائی اس۔ مولودیں دی سہرے پونڈئیں الا ہے آپ ناں آلو بھلو کریندا ہوسے، ہیں زنگارے دا ہتھ گھدل تاں ہے پیا۔ پہلے آلیں دے بول گھر ہیہ تے کوناں گڈ کیتے ہنس، ٹیپے ٹکر لئی لانہڑیاں گتارٹ تے تور چڑھیا ہا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نال رَل تے اُرڈو سندھی، سندھی اُرڈو لغت جوڑیس، سندھ دے اُرڈو سینٹرئیں دے شجرے وی گڈ تھیئے۔ کئی شجرے گھنّیں پاڑیں دے بُڈے ہیرے تاریئے، کوئی بُڈے۔ اساڈے وَڈیں دی ہا ٹھیل مسیت داناں وی چاتس جو بھٹائی گھوٹ گھوٹکی (صاحبن جرلوی) دی ہیں مسیت وِچ ڈیرے لانے ہن۔
مُلودیں تے اُٹھیا تاں اے وی ڈِشلی گیا، دُعائیں کیوں منگیندِن کیوں کریندِن، ول او ڈُون چاون کنوں گھن تے دِیا ون تولی دِیاں چالیہیں منگنا، پرنا مرنا، سینے جادوں رملیاں ٹونے زگ زگ کوں بدھ تے ہتھیکا چا کتّس۔ سارے جہان کوں گن ڈِسوائس پر شیخ ایاز دا ناں نئیں گھندا، الا ہے کیوں۔ اساں تاں ڈھونڈوں بھٹائی کنوں پچھے کوئی جیہے تاں اوہو شیخ ایاز اے۔

سندھیں بلوچ صیب کوں چاریں پاسوں چاتا، جنہاں کوں جیڑھی شئے جتھوں ہتھ آئی ڈِوا ڈِتّس۔ پیروں بن تے بیٹھا بلوچ صیب چھان کریندے۔ سندھ کنوں باہر وی جتھاں گیا سندھی سندھی کریندا گیا۔ انڈونیشیا وِچ سُمر سا مُنڈری وچ لدھس، اساڈے سرائیکی تل وِچ مولوی لطف علی؟

دی قبر توڑی وِچ پُچا' قبر تے کھڑ تے بھوڑو کڈھا یونیس۔ شیفل نامے دا مہاگ بکنگھس پڑھ
تاں ڈیکھو جوان کیویں کمدن۔ میں کئیں بلوچ صیب دیاں ڈاتل تنجوی تریہہ پُستکاں ہن پیاں۔
میں شجھنیش دا مُنڈھ پاند ناں، شجھنش کوں مُنڈھ کنوں پاند تئیں ڈیٹھے، کنبہ دی گالھ وانگوں
پیرا گوڑ ناں مَروا کتاباں جھڑیاں ڈیٹھیاں نِت پڑھیاں دی ہم۔ بلوچ صیب کوں پڑھوناں پڑھو
جھڑا سُنو چاناں اُٹھ کتابیں دے آکھ تاں اساں آپ پڑھ گھدن۔ بلوچ صیب اُومیں وی ڈُوں
ترئے پھیرے پُٹھاڑک کتابیں وی دی میکوں ڈِتی ودّے۔

بلوچ صیب پہلے پھیرے آیا تاں مُجھارے تے نلّہ رکھی میں آپنی جان اِچ مُہاندرا بنڑیا تے
پُچھانس کھڑا سئیں تُساں گھنے پڑھیل او۔ اے تاں اُو یا گالھ ہئی' کھوہ وِچ جھاتی پا تے' سمندر
دی مَنڈ تے کھڑ تے اُنھیں کنوں پُچھی جے ادا تئیں وِچ گھنا پانی اے۔ بلوچ اُنڈ کھٹ اے۔ پڑھ لکھ
دا دریاہ اے' پیا وہندے' جُھکا ٹک لپ ڈِھک آپ وَسوکا جیکو سیکو پیندا کھڑے۔ بلوچ صیب
دے پڑیاں تے کوئی وَٹ ناں پیا' اُوں میں جیہے وَڈھیر کے پھیر کے پیرانے بال کئی چار یے ہوسین' ترسلا
ناں میکوں کھڑے ڈیتیس۔ میں پچھوتے بے شرم پھیم پر ہٹن سیس سٹی ٹھٹا کھڑا۔ اساڈے دُشمان تاں
گھنین پر بلوچ صیب دے خلیفیں ممتاز مرزا' شیخ محمد اسماعیل دا ڈُپارا ٹھارن دی جاہ ناں لبھے' جیئر
دے ڈینہ ہن پر ہن شَشت ڈاڈھے تکھے۔ پچھے کئی پھیرے بلوچ صیب آئے پر سیالے دا' اُنہا کے کنوں اساں
آپ گوڈھوائی آیوں۔ بلوچ صیب لیکھیں کھادھے جتیں ناں ایویں گوڈے ناں گوڈا ہر لا جُر اپنڑ تے سر سر
تے پیا ہیسے آکھ تاں ڈُوں بول پڑھو یندے۔ جٹ وی آکھیا میں وی ہاں۔ اُوں دے سگھڑاپین ناں
ایہے پریم اِن جو جیڑھا ہک پھیرے بلوچ صیب دی وَنڈ وِچ آئے جیڑھا ہک پھیرے بلوچ صیب دی
کچہری وِچ بیٹھے اُو ہو کجھ سیکھ تے اُٹھیئے تے بلوچ صیب کوں وِساریا نئیں۔ بلوچ صیب دِتیں

کچہریں دا مور عبدالرحمٰن تہیسر دی میڈے ہاں کنوں نہیں لہندا' وہ جو پنگر دی روحانی اِے' بلوچ صیب دے سوہنے اُٹھن بَہن الاوݨ بولݨ رَہݨ وَسݨ دی ہکّا نار کوں ݙیکھ ݙیکھ تے گھنے تاں سِکھ گِن جو اِنھیں' ہیں جہان تے کیویں ویلھا تَر یا وَنّائے۔

عبدالعزیز میمنی عربی دا وݙا جاݨو تے بلوچ صیب اُوندا شیر گرد ہا خطابی ہا' آکھدے میمنی عربیں کنوں وی گھݨی عربی جاݨدا ہا' گھلیا جو سئی استاد میمنی دیاں گھݨیاں گالھیں سُݨا یونِس میمنی کنوں ہِک واری عربیں پُچھیا اساݙی عربی کنوں وی چنگے بول کوئی بول گے' میمنی آکھیا پیا تاں ناں ہِر غالبؔ ہا ہِک' غالبؔ دیاں تَرۓ کافیاں ہکّا ساہی عربیں کوں سُݨا یونِس۔ چیتاجا تے آ گیو نیں' بلوچ صیب آکھیا اُنھیں وِچوں ہِک اُوہا

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

وی ہئی۔ بلوچ بیروَلی کوں گھݨا وݙا دھرتی اُشماں دی جاݨ سُیاݨ تے لکھ پڑھ دا پِنڈت گِݨیندے اُوں کوں اِے وی وݙا ݙُکھ اِے جو آپݨے مُلخ اِچ بالیں کوں لکھاوݨ پڑھاوݨ صفا تلّا گھدے پَے' چِیتلے تونڑی کوئی گورا نقلی تے نٹ شاہی ناں لاوے اساں کنہ لکھت کوں تونڑی جو آپݨی ہووے' ناں مُنّوں ناں آپݨا کروں' پیا تاں پیا آپݨا ڈِین اساں پہودئیں کنوں ودے پَرھدُوں۔ اِنھاں آتے اِیہے بھولے دی چُھت وانگوں بُوہۃ آلے منصور حلاج کوں اُتے چاوݨ دا تَرلا کریندِن۔ آکھدے اَساں کوں آپݨی گلّا نے زور چنگائی کوں گھٹ وَدھ گِھدُوں۔ جمیل جالبی تاں چنگا بھلا پاکستانی اے پَر بلوچ صیب اُوں کوں نہیں کھنیندا اَتے غلام علی الانہ' مناں آکھو جی الانہ' کوں سندھ کیتے پنجاب دا چھاڑ تا آکھیس۔

گھڑی ہک نال عاشق دے تکّھاں برساں عبادت ہے

نظارے سے چڑھے مستی ایہا نیکوں کی عادت ہے

کنیں عشق سُنایم بانگ میاں ∴ پڑھیاں رات چُنل دی نانگھ میاں

الف ہر وچ اَلیندا ہے ∴ کھنوینداتے پلیندا ہے

صاحب نُورشاہ عجب بازی ∴ الف ہر تے سدا راضی

کیا مُلاں تے ، کیا قاضی ∴ بیا جھاتی کریندا ہے

ہک گرگوں سجدے ڈیندے ہئوں

ناں کوئی دھرم تے دین منیندے ہئوں

میکوں گُرنے اِے فرمایا ∴ گل جنیجوں تے تلک لگایا

نت ٹھاکُر جی پجوندے ہئوں

گنگا جمنا میڈے اندر ہے ∴ تونڈی کالہ تیرتھ مندر ہے

نت ہری ہر نام جپیندے ہئوں

اَساں کالے کافر کیتے ہئوں ∴ رنگ نال الف دے رتے ہئوں

نت الکھ دی نند وجیندے ہئوں

صاحب نُورشاہ گُرو دھیا میاں ∴ نتگھ نفی کنوں اثبات میاں

اُوڈ عرشاں سیل کریندے ہئوں

پڑھ پہلے تختی آیا ہے
رُخ رانجھن دا خود کعبہ ہے
پہلے رانجھن مونہہ ڈکھلایا
اُتوں ان کلہم علیم پڑھایا تھا
پچھس کن فیکون بلایا ہے
ڈیکھو رانجھا ویس وٹا کے آیا
کن چیرنے مُندریاں پا کے آیا
گل کنٹھ کنگن ٹلایا ہے
ول نال رانجھے ٹیڈے وِکھائیں
گھر در در رہیں وِچ سائیں
سچا کلماں جان مُحایا ہے
صاحب نور شاہ میڈا وارث ہے
میں لوہا نے او پارس ہے
چھوڑ بھولا بھول بُھلایا ہے

اُتے موئے کنوں پچھلے مہر وچ تاں تاں ڈو جہے پھیرے وی تریجے گھمرے بلوچ صیب نور شاہ باقل پوری دے ایہے بول سُنڈے سُنڈے گالھ وچوں گالھ کڈھی ایہو نور شاہ ہے کیہڑوں دا۔ اساں آکھیا اساں کیا جانوں۔ آکھے گو لو۔ پچھ گچھ اُٹھئیں بیٹھئیں بیٹھئیں تھک گی۔ ڈاشلوں آلسئیں ڈس ڈِتا پرے تاں کینی تُساڈی بھرنال باقل پر وچ اُوں دا دربار اے خنگاہ اے

ݙُوں ترئے ݙینہہ رکھ تے اساݙے پیراݨیں خلیفیں وِچ خنگاہ دے مجاوریں دا پاسا جھلیا۔ مبارک شاہ داناں ہا "مالی خان کوش" مجاور آکھیا مبارک شاہ دا بال سئیں داں آوے سر اکھیں تے۔ آیو سے گھنو سے۔ ناں پتر لاتھوے ناں سٹیو سے ناں ٻہاری دے ݙاݙے ہا سے۔ مالی صیب کوں ادھ پہر کھن سُنیو سے۔ سُریلا بلیشک ناں آکھوں زمز تاں ہِس، مریندی ایہا زمز اے، تھولہی گھنی زمز زلاوݨ جوگے وت کیتھوں آیو سے اوہا وی رلی۔ بلوچ صیب کشمور وِچ فاروقی صیب کنیں کچہری کرݨی ہئی، کانڈھیل رسیڈا وی ہا۔ کشمور اساں رے کانڈھے وِچ گُسرڑلو سے۔ اُتھوں سیدھا چالو سیس باقل پُر۔ زرثہ کرے سبب تاں شمس خان بنجو سودھا اگوں گھوڑے لئی بیٹھا ہا۔ شمس سوہݨا دیوان کوں وی ݙیکھسوں آگوارٹ نورشاہ دے ݙوں پریم پیالے لاناں گھنوں، شمس نورشاہ دا طالب، بنجو چھک تے الف آلے دُھریٹے ایجھے سُݨایو ہِنس سمجھی لوہ۔ نورشاہ دے ہتھ اکھر مُݨ مالی صیب زیارت کراوے تاں نکلوں۔ ݙینہہ جھنیں ہٹیں آن بھیا۔ ݙینہہ لہݨ کنوں بلوچ صیب آکھے اگے ٹُردے پھٹوں۔ مالی صیب چھکے تے رکھی بیٹھے۔ ناتہہ منا تہہ اتلی کنئیں جو بلوچ صیب چہاجرتی وی آکھے اُٹھی بیلی اتھاں مُلاں جیوݨا تے کجھ نیں تھیوݨا۔ مالی صیب اجاں وی ٹنگیا بیٹھے۔ پچھے میں وی ہتھ چھوک تے چڑھائی کیتو ہِنس۔ اساں اتلا پندھ کپ تے آیوں سکھݨے آپاں اج ولوں ناں فرز۔ ادا اساں ناں تیکوں پھرݨ آیوں ناں چوروں، اساں وی نورشاہ دے طالب اوں زیارتی اوں، دیوان دی زیارت کرسوں تے ولے ویسوں۔ مر تر لحاظ کنوں۔ تے مار مستیں اُٹھیا۔ وِچ غلیفیں وِچ ویڑھیل نورشاہ دے ہتھ اکھر سر تے چا آیا۔ اساں گھڑی پلک ݙٹھا اکھیں تے رکھیا تے بھاج ݙتو سے۔ بار کنوں ناں پچھے وِچ گوئل ݙتی مالی صیب۔ ݙوں ترئے باری پے کیتم۔ معزز وِچ بیٹھل اُٹھ نکتا۔ نورشاہ ادا جیڑھا کجھ الا گے اِتھئیں پیا

ریہا تاں کیہہ کم آیا۔ اینکوں اچھا کروں۔ اینکوں چھاپوں پچھے ساری حیاتی وچ نور شاہ نور شاہ ہوسے، دنیاں جہان تونڑیں پجھاؤں تاں ایویں تھیسے۔ سالہ ڈیڈھ دی گیہل بدرار تھکا ئیس چارئیں دیوان چاڑ تو ڈتس پر اساں اجن اتارے کڈھا تے اچھا کرن بیٹھو سے تاں تے ولا سیر تھی گیا مالی صیب۔ گھنڑی دلجاہ کنوں پچھے وت تھی ڈتس۔ میں تے شمس آن نور شاہ نال رات ڈینہہ ہک کیتو سے۔ متیں بکھن دا موچار ڑاہا، اٹکا تاں گیا پر اساں کوں بچھار تاں بھننیاں پے گیاں، ادھ لوز میں بھت تے کڈھاں بچیدا ادھ شمس پورا کرے۔ اٹھاوی جہاڑیں وچ ڈوں دیوان اتارا کیتن سے۔ سختی چاتا ڈوہیں کراچی حیدر آباد دکن آلے شیخ مرحوم محبوب احمد قریشی کنیں ڈوا بھیم۔ ہوں اشراف بڈھیپے وچ ڈینہہ تاں گھنڑاں لاتے ہر جلداں بھنیں کوں سمدا اے جندڑی تے چاڑھ ڈیندا ہا۔ نور شاہ دے کلام کوں اساں تاں لکھ لکھ تے جیڑھا نواں کیتا قریشی مرحوم وی نور شاہ دی لکھت دی حیاتی ودھاون وچ وہ جو کم ڈکھایا۔ بچیدیں ڈوں بندئیں کیتے وی مالی صیب بچھ پکڑی آیا اک تے اوڑک میں اتارے کڈھا تے ولا بھیم، ایجھی سوڑ تاں کرے ہئے تاں جلداں بدھیج پاہی ہتھیلی تھی وچے ہن۔ چھیواں سالیھ رسالا گڈ بھیا رکھئے ماسٹر فاضل آپنڑے حجرمان وچ ایجھا گئے جو اٹھ پندھراں ڈینہہ آن ٹکے ہن کیں وت میکوں سکھر پیر اٹکاون ڈلیوے ہن تاں نور شاہ تے مولوی لطف علی کوں چھک سٹوں ہئے۔ بلوچ صیب دا قول ڈتل اے جیڑھاں وی نور شاہ دا کلام کٹھا کیتو تے ڈلیہاں، "سندھی ادبی بورڈ" چھپیسے۔

قاضی قادن، بھٹائی کنوں دی اگے ہا۔ بلوچ صیب ہیرو ٹھکر دی کتاب "قاضی قادن جو کلام" دی "مہراڻ" وچ تول تک کیتی ہئی، اوہامیں بلوچ صیب دے ہک سندھی کنیں جلی پچایم دلی والے وی بلوچ صیب کوں منتی بیٹھے ہن، ہیرو ٹھکر کنیں بلوچ صیب ٹک وی آیا ہا

بالیں دے عالمی ݙینہہ دے موقعے تے

ساݙے ڄمدے روندے کھمدے
پیراں ݙے تے، اللہ رکھیئے
سئے سئے سوݨ، سو سو ٹوٹے
منتاں نال گھنیندن
ڄمدیں بکھ دیاں بانگاں سݨدن
ݙکھ دیاں گھٹیاں پیندن
کھیر نہ پاݨی لیکھ انھاں دا
صرف انگوٹھے پیندن
نہ کوئی ݙاݨ، نہ بھورا روٹی
مٹیاں کھا جیندن

ایویں دھپاں سڑدیں سڑدیں
بھورل گھیمرو تھیندن
وت ہک، وقت دی روٹی کیتے
ونڄ پردیس مریندن
لاوارث دفنیندن

خورشید بخاری

کالا کالی

--------(قسط اول)--------

----------------(مولانا نذیر الحق دشتی النقشبندی)

بلوچی قبائلی معاشرے وچ بے دی عورت نال یارو یارانی ہک بہوں وڈا جرم ہے اتے ایہیں جرم دی سزا موت اے۔ جیکر کوئی اپنی عورت کوں کہیں بے آدمی نال گندی حالت وچ ڈیکھے یا کہیں طریقے نال انہیں کوں پتہ لگ ونجے تاں مرد تے عورت ڈوہیں کوں مار ڈتا ویندے۔ ایں معاملے کوں بلوچی وچ سیاہ کاری یعنی بہوں گندا کالا کم تے سرائیکی وچ کالپ آکھیندن اتے بلوچی وچ سیاہی سڈیندن۔ ڈوہیں کیتے سیاہ۔ دا لوظ ایں واسطے استعمال کیتا ویندے جو فارسی وانگوں بلوچی وچ مونث دا صیغہ نہیں ہوندا اتے مذکر تے مونث کوں ہکے صیغے نال بولیا ویندے۔ سرائیکی وچ اجھے مرد تے عورت کوں کالا کالی تے سندھی وچ کارو کاری آکھیا ویندے ایہں سیاہ کاری دے معاملے وچ کڈاہیں کڈاہیں اجھے عبرتناک واقعات وی تھیندن۔ جنہیں کوں سن تے آدمی دے پیریں تلوں پانی آویندے۔ میں ایڈیٹر مرجات دے فرمان مطابق ایہنہ ماہنامہ "مرجات" وچ سیاہ کاری دے معاملے وچ پیش آون والے عجیب وغریب تے حیرت ناک واقعات دا سلسلہ شروع کریندا پیاں اے سلسلہ دیر تاہیں قائم رہسی امید اے جو جنیں کوں بہوں پسند اوسی۔ ہن پہلی نشست وچ میں تساکوں ہک نیک نمازی حاجی صاحب دا چھوٹا جیہا واقعہ سنانون چاہنداں۔ جنیں اپنی ذال تے اوں دے یار کوں بہوں بیدردی نال مار تے دریائے سندھ دے وچ لوڑھ چھوڑیا تساں اتھاں ضرور حیران تھیسو جو نیک نمازی تے مکے دا حاجی تھی تے وی اے قتل جیہا ظلم۔ سئیں فطرت نہیں بدلدی۔ اتے معاشرے تے ماحول دا اثر وی کتھائیں نہیں ویندا۔ اے تاں چھڑا نیک نمازی تے حاجی صاحب ہا۔ اتھاں تاں جناب مولوی عالم تے فاضل سڈاون والیں دا حال وی پورا سارا ہے بظاہر ڈیکھو غوث تے قطب لگدن۔ پر شالا رکھی کوں رات نہ پوے۔ ع باہر بولی ہنجھ تی اندرو وہانیں کاں خیر چھوڑو آؤ تساکوں اونہہ حاجی صاحب دا واقعہ سناواں۔ ایہں حاجی صاحب کوں پیش آون والے واقعے دا پس منظر میں خود حاجی صاحب کنوں پچھیا تاں اونہیں میکوں اپنا سارا واقعہ تفصیل نال سنا ڈتا۔ ہن تساں خود اونہیں دی اپنی زبانی سنو میڈا خوشحال گھر باگھر وچ کہیں شے دی کمی نہ ہئی۔ اللہ تعالی دا ڈتا سب کجھ ہا میڈی گھر والی وی بہوں سگھڑ سوڈھی بہوں عقلمند تے حد درجے دی قابل عورت ہی میکوں اونہہ نال حد درجہ پیار تے محبت ہئی اتے او وی بہوں فرمانبردار تے محبت کرن والی ہئی۔ اونہہ کنوں میکوں ہر طرح دی دل جائی ہئی تے حیاتی چین نال گزردی پئی ہئی۔ میں سوچیندا ہم جو، زنے فرماں برو پارسا کند مرد درویش را بادشاہ پر کہیں دی اجھی نظر لگی۔ جو بس جھٹ پٹ پلک جھپکدے دی دیر نہ لگی گھر اجڑ تے ماتم کدہ بن گیا۔ کجھ نہ بچیا ککھ نہ ریہا۔ ذال گئی۔ بال دربدر تھی گئے۔ میں جیل خانے وچ میڈی خانہ خرابی دا قصہ ایں اے۔ جو میکوں ہک شادی دا کانڈھا ہا۔ شادی تے میکوں ضرور ونجنا ہا۔ عصر کوں میں تیاری کیتی۔ گھوڑی سنج روانہ تھیاں اپنی ذال کوں آکھیم جو میں رات گھرول نہ آ سگساں۔ توں پچھوں ہشیار تھی تے ہر ہر چیز دا خیال رکھیں۔ میں اے آکھ گھوڑی تے چڑھ تے ڈیہنہ لتھے کوں شادی تے پگاں روٹی مانی کھادھی۔ یاریں دوستیں نال ڈکھ سکھ دے حال حوال ونڈیے۔ خوشیں کھیڈ شیڈ ڈٹھے۔ ہن ہر کوئی سمہن لگا شادی والیں میڈے واسطے وی کھٹڑا بسترا وچھایا۔ میں سمہن کیتے کھٹڑے تے بیٹھاں تاں میڈے دل وچ خیال آیا جو میں گنے بھلی گھوڑی تاں ہے پی۔ ویلی ہن گھر ونجاں۔ میں گھر ونجن کیتے تیار تھی گیاں دوستیں میکوں بہوں روکیا۔ پر شیت تقدیر میکوں اتھاں رہن نہ

ڈتا شادی والیں کنوں میں گوشت تے چاول شاول کھن کپڑے وچ بدھ تے تھین وچ پا گھوڑی تے چڑھ بیٹھاں۔ بھلی گھوڑی تاں ہئی۔ بس کیا دیر تھی ہے نہ تھیا جو میں ڈوں بالیں وچ خوشی خوشی نال گھر پج گیاں گھر دے اگوار تے گھوڑی دی تڑ پھاٹ تھی تاں کیا ڈیکھداں جو میڈی ذال کوٹھے وچوں نکتی امدی پئی اے میں پچھیا سائیں خیر تاں ہے ایہہ ویلھے ادھ رات دا کوٹھے وچ کیوں گئے ہاوے آکھیوس میڈے پیٹ وچ سخت درد اے پیر گولن گی ہم۔ اے آکھ تے کھڑے تے بہہ گی میں گوشت چاول چا تے اونہیں دے اگوں رکھ ڈتے پر اونہیں کوئی رغبت نہ کیتی۔ ام غم تے سر سٹ بیٹھی رہ گی۔ میں اونہیں دی حالت ڈیکھ تے مونجھا تھی تے کھڑے تے بہہ گنتی کرن لگ پیاں۔ ادھ رات اے کوئی ڈاکدار وی او لے سوے کوئی نہیں۔ جو اونہیں کنوں پیٹ درد دی کوئی دوا دارو گھن آواں تے اپنی ذال کوں آن ڈیواں۔ میڈی زال جڈاں کوٹھے کنوں ل نکتی ہئی تاں تاک دے چھڑے پھڑ کے والائی آئی ہئی تے کنڈی کونہ ڈتی ہئی ذال دے پیٹ دے درد دے دوا آنن دے فکر وچ قدرتی میں تاک ڈو نہیں ڈٹھا تاں تاک دا پھڑ کا میکوں تھولھا جیہا چلدا معلوم تھیا اتھاں میکوں تھولھا جیہا شک گزریا تاں میں تاک تے دیداں ازاں ڈتن۔ تاک دا پھڑ کا تھولھا جیہا کھل تے ولا بند تھی ونجے۔ میں یقین کیتا جو اندر کوئی بلا ضرور ہے ہئی۔ پر ہن کیویں کراں۔ سوچن بہہ گیاں آخر کار دل وچ اے فیصلہ کیتم جو ذال میکوں بہوں پیاری اے اللہ جانے اندر کیا بلا اے کوئی بلی چوہا اے یا ہوا تاک کوں چولیندی پئی اے۔ پہلی ہن مہاٹ ڈیواں جو اندر کوئی آدمی اے تاں نکل ونجے ہن اتھوں شرف اے میں نہ ڈٹھا تاں کجھ نہیں۔ میں اپنے گھر دوں اپنے ہتھیں نال تباہ نہ کراں جیکر کوئی ہوسی وی سہی تاں ہیلکا جوان لبے کنوں ہیں ضرور آن وارا ڈیسی نہ تاں ایہو بس۔ ایہو موقعہ ایہس نال نبڑن دا مناسب ہئی۔

اے سوچ تے بھرا دے گھر بندوق چا آون دے خیال نال ٹر پیاں۔ جو میڈے بندوق آنن تائیں جیکر کوئی جوان اندر بیٹھا ہوسی تاں میں آتے مار ڈیساں اس جو ایہس عرصے وچ ٹل گیا میں نہ ڈٹھا تاں بس ہر کہیں دی خیر میں ونج بھرا کوں جگا تے بندوق منگی۔ میکوں آکھیوس ادھ رات کوں بندوق کیا کریسیں۔ خیر تاں ہے میں آکھیا بکرے تے ڈوبھی ترتھی واری اے نہر امداپے۔ اونہیں کوں مریساں میں اپنے بھرا کوں دل دا حال نہ ڈتا میں اتھاں تئیں دیر تائیں پیاں گالہیں کریندا رہیاں جو خدا کرے جیکر کوئی اندر ہے تاں نکل ونجے میڈے بھرا دا گھر تھولھا جیہا وتھی نال ہے میں تقریباً گھنٹہ کھن دیر کرتے گھر آیاں۔ کیا ڈیکھداں جو میڈی ذال اوہیں حال وچ اونہیں جاہ تے بیٹھی ہئی۔ اتھائیں او نیں بیٹھی اے میں بہہ تے تاک ڈو نئیں جو ڈٹھا تاں تاک اونیں پہلے وانگوں چل تے ولا بند تھی ویندا ہا۔ میں سمجھ گیاں جو اج تقدیر دا فیصلہ کجھ بیا ہے اتے میڈی تباہی تے بربادی تھیونی اے میں خدا دی رضا کوں من اپنی بربادی تے خانہ خرابی کیتے تیار تھی گیاں۔ بندوق چا تے کوٹھے وچ بہہ گیاں۔ ہن دل دھڑکتا پے جو خدا کرے اندر کوئی نہ ہووے۔ پر کیا ڈیکھداں جو اندر ہک یار ماہی دا بیٹھے۔ ہن بس بیا کیا سر تے جو آ گیا ہل پنل۔ بندوق دل دے سار کنوں رکھ تے اونہیں دے باں وچ ماریم۔ او اتھائیں رڑھ پیا میں اونہیں دے ساہ نکلن دے انتظار وچ اونہیں دے اتوں کھڑا رہ گیاں۔ متاں ہک بندوق نال نہ مرے تاں ڈوجھی وی ماراں اس۔ اصل وچ میڈا اے مقصد وی ہا۔ جو ایہس عرصے وچ میڈی زال اپنی جان بچا تے بھج ونجے۔ چلو چھائی پاوے۔ میکوں بہوں پیاری اے میں اپنی محبت کوں اپنے ہتھیں نال نہ ماراں کافی دیر دے بعد میں باہر نکتاں۔ میکوں پک ہا جو او ہن تائیں اپنی جان بچا تے اندھاری رات وچ کتھائیں لک گی ہوسی۔ پر کیا ڈیکھداں جو او اپنی جاہ تے اتھائیں اونیں

بیٹھی اے بھتاں جیویں بیٹھی ہئی ۔ میں سمجھ گیاں جوان ایہیں دے
رڑیہاڑے مک گن تے موت ایہیں کوں کتھائیں چلن نہ ڈیتی ۔ میں خدا
دی تقدیر منتے دل کوں قابو کراونہیں تے بندوق سدھی کیتی تاں میکوں
آ کھیوس جو میکوں بندوق نال نہ مار۔ بندوق بہوں تکلیف ڈیندی اے
میں آ کھیا بھلا انجھی میں اونہیں دے ہتھ وچ پکڑا تھا تے دریا ڈاہیں
ٹرپیاں دریا سولے وہندا پیاہا او ہولے ہولے میڈے نال ٹردی آئی
۔جڈاں دریا دے منڈھ (کندھی) تے آیوسے تاں او یکدم بہہ گئی ۔ میں
گھوگھاڈیون کیتے اونہیں دی گردن وچ جو ہتھ پاتے تاں ساہ نہ بس ۔او
میڈے گھوگھے ڈیون کنوں پہلے مرگئی میں تھولھا جیہا گردن گھٹ تے
سٹ ڈتے اونہیں دے بدن وچ سونے چاندی دے جیہڑے گہنہ
گہنڑیں ہن میں اووی نہ کڈھے دریااچ چا سٹیم ۔ میں ولا گھر آتے
مارے ہوئے جوان کوں اپنی پیٹھی تے لڈ تے دریا دی کندھی تے چا گیاں
۔اونہیں دا پیٹ پھاڑ اونہیں کوں وی دریا وچ سٹ ڈتم ۔اے تائیں
میڈے بالیں دی چیکر با کرسن تے میڈے بھراتے عزیز وی آ گئے
۔میڈا حال احوال ڈیکھ تن بہوں حیران پریشان تے غمگین تھی گئے
جھٹ پٹ وچ میڈا وسدا رسدا گھر تباہ تھی گیا میں ہتھکڑیاں پاتے جیل
دی ونج کھڑاں ۔قتل دا مقدمہ اووی دو ہرے قتل دا شالا ڈشمن تے نہ
آوے ۔میڈے بال در بدر تھی گئن ۔ مال مڈی برباد تھی گئی ۔گھر در نہ
ریہا بہوں مشکل نال جھ عرصے دے بعد جیل کنوں ضمانت تے چھٹ
آیاں ہن گھر نہ تر ۔اللہ سائیں دی بے نیازی کنوں بندہ امان منگے
میڈے ایہہ واقعے وچ سب کنوں عجیب گالھ جیہ کوں تساں سن تے
حیران تھی ویسو ۔او اے ہے جو او بندا جنیں کوں میں اپنی ڈوال نال کالا
کرتے ماریا ہا اونہیں دی ڈوال اج میڈی ڈوال اے اوایویں جو کالے دی
ڈوال دے پکے میڈے اپنے عزیز ہن ۔ میں انہیں کنوں اے رشتہ منگیا
۔تاں انہیں میکوں بغیر کہیں حیل حجت دے ڈے ڈتا ۔ میں اونہیں کوں
پرناتے گھر گھن آیاں ۔ تے او ہن میڈے گھر وسدی پئی اے ۔سئیں
اے ہے میڈا قصہ تے ایہے میڈی کہانی۔

فرسودہ ظالمانہ رسم کا ایک منظر

وطن دا گیت (جام ایم ڈی گانگا)

ہیں قدرت دا دا شاہکار وطن
سر سبز تے .باغ بہار وطن
واہ ٹینگر ہن پہلوان تیڈے
ہن محنتی کل کسان تیڈے
ہن فوجی شیر جوان تیڈے
تیڈا ہر بچہ جی دار وطن

جیوے سندھ سرائیکستان تیڈا
پنجاب بلوچستان تیڈا
ہے سرحد تے مکران تیڈا
تیڈا ہر واسی خود دار وطن

تھر چمن تے ہے مہران سوھنا
ہے روہی تھل دا مان سوھنا
واہ خیبر تے بولان سوھنا
دلکش ہے پوٹھوہار وطن

واہ ندیاں نہراں وہندیاں پن
فصلاں سوہنیاں لہراندیاں پن
سب قوماں کٹھے کھاندیاں پن
ہے امن دا اتھ پر چار وطن

تیڈے باغ پھلاں دے پھلدے پن
شاہین تے غوری چلدے پن
اینکوں دشمن ڈیکھ تے جلدے پن
قائم رہے ملکاں تے چکار وطن

تیکوں گانگا پیش سلام ہووے
شالا اتھ نافذ اسلام ہووے
نت امن دا اتھ پیغام ہووے
ملی حاکم باکردار وطن
ہیں قدرت دا شاہکار وطن
سر سبز تے باغ بہار وطن

غزل — پروفیسر ڈاکٹر قاسم جلال

کیوں انسان ہے تندا مال حرام دا کھاون کیتے
چڑن جائز دگ وی ہن موجود کماون کیتے

جیویں! اتھاں چھڑی منہ دی لش پش داکم کئے نیں
قربانی دی لوڑھ. ہے سنگت ریت نبھاون کیتے

ایویں اساں ناز حیاتی دے مرن تئیں چیندوں
جیویں ماتندی ہے روندا بال رہاون. کیتے

بوڑیاں دے ایں شہر وچ کناں تے جندرے لگ گن
سک گن حق سچ آکھن والے لوک الاون کیتے

او میکوں پہلے درداں دا قصہ چا سنڑویندے
جیکوں ملداں ڈکھاں بھریا حال سناون کیتے

اج کل ڈش انٹینے دے ہر جاجلاد نظردن
قوم دے ذہناں دیاں سوچاں کوں پھاسی لاون کیتے

کئی تاں قوم دے پھٹاں اتے آتے رکھے ملم
کئی تاں آوے ساڈی ستی سیت جگاون کیتے

ظالم چار چدھاروں جتیں ویلے رستے مل کھڑن
کون آسی انصاف دی ول زنجیر ہلاون کیتے

رب دے پیارے درویشاں دی اصلوں کنڈ نیں لگدی
دنیا توڑیں جتی لاوے زور ڈھاون کیتے

حسن انتخاب

زندہ ادب (اردو)

نوبت رائے نظر لکھنوی (اقبال ورماسحر)

مجھ کو انجہانی کی قدمبوسی سے فیضیاب ہونے کا موقع اس وقت نصیب ہوا جب لہ وہ آخری مرتبہ دفتر زمانہ کانپور میں قیام پذیر تھے۔اور رسالہ زمانہ و اخبار آزاد کی ادارت میں اپنی بے مثل دماغی قابلیت کے ذریعہ قرار واقعی مدد دے رہے تھے۔یہ اگست یا ستمبر ۱۹۱۳ء کی بات ہے۔وہ محض حسن اتفاق تھا کہ ایڈیٹر صاحب زمانہ سے ملنے کے لیے جانے پر میں مرحوم سے بھی مل سکا ملنا کیا تھا شاید زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر تک چند ایسے کلمات کا سن لینا جوان کی زبان سے وقفہ کے ساتھ ادا ہو جاتے تھے ۔کیونکہ اس وقت مرحوم اپنے ادارتی کام کی انجام دہی مین حد درجہ منہمک تھے ۔البتہ سرسری ملاقات سے اتنا ضرور ہوا کہ مجھ کو مرحوم سے روشناس ہونے کے لئے کافی وقت مل گیا اور دل پر ایک ایسا اثر پڑا جو اہل کمال کی قربت سے چند لمحوں میں بھی یقیناً پڑ جایا کرتا ہے مجھے اس وقت جہاں تک خیال ہے نظر مرحوم ایک دبلے پتلے، گندمی رنگ کے، میانہ قد بزرگ تھے ان کے بشرہ سے شرافت، متانت اور ذہانت کے آثار نمایاں طریقہ پر آشکار تھے اور ساتھ ہی اس میں مسلسل غور وفکر سے پیدا ہو جانے والی نمود کا بھی شائبہ نظر آتا تھا۔مرحوم لکھنو کے مردم خیز خطہ میں پیدا ہوئے تھے ان کا سنہ ولادت ۱۸۶۶ تھا اور ان کا تعلق ایک ایسے معزز کائستھ خاندان سے تھا جس کے ممبر لکھنو کے شاہی زمانہ میں اچھے اچھے عہدوں پر مامور رہ چکے تھے۔لیکن جو اعزاز کہ خاندانی عزت وقدامت کے بناؤ پر حاصل ہوتا ہے وہ حقیقی اعزاز نہیں ہوتا اور نہ دنیا کی ممتاز ہستیاں محض ایسے اعزاز کے حصول پر قانع ہو سکتی ہیں وہ اپنے لئے خود ہی عزت و ناموری کے ایسے خاص ذرائع پیدا کر لیتی ہیں ۔جن سے بالآخران کی خاندانی شہرت کے آسمان کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔نظر مرحوم کی نسبت بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے وہ ایسے مقام پر پیدا ہوئے تھے جس کے ساتھ آتش وناسخ وبیروانیس،امیر وجلال جیسے استادان سخن کے تعلقات وابستہ رہ چکے ہیں[1]۔اور جو اس وقت بھی شعر وسخن کی سرزمین کہلائے جانے کا بڑی حد تک سزا وار ہے ۔مرحوم نے اسی سرزمین کے ادبی آب وہوا میں پرورش پائی تھی ان کو قدرت کی جانب سے ایک اثر پذیر دل عطا ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی نشوونما کی حالت میں ہوتے ہوئے اس آب وہوا کے لطف آگیں اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اکتساب علوم کے ساتھ ساتھ ان کی نکتہ سنج طبیعت نے قدرتی رنگ دکھلانا شروع کیا۔جناب آغا مظہر لکھنوی مرحوم بڑے پائے کے شاعر تھے وہ اس قدر محتاط تھے کہ ان سے تلمذ حاصل کرنا ہر شاعر کا کام نہ تھا۔نظر کی عمر صرف سترہ سال کی تھی جب کہ لکھنو کے کسی خاص مشاعرہ میں انھوں نے بھی اپنی غزل پڑھی یہ غزل مظہر صاحب کی دی ہوئی اصلاح سے مزین تھی گویا انہوں نے اسی وقت سے ہونہار نو عمر شاعر کو اپنے زمرۂ تلامذہ میں داخل کر لیا تھا قابل استاد نے اپنے وسیع تجربے کے رو سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ ان کی نظر انتخاب ایسے نوجوان پر پڑی ہے جو آئندہ کسی وقت ان کی نیک نامی میں کافی اضافہ کرے گا۔اور حضرت مظہر کا یہ خیال کسی طرح بھی غلط ثابت نہیں ہوا۔نظر مرحوم نے انھیں سے اکتساب فن بھی کیا اور اکتساب کمال بھی حتی کہ اپنی نازک خیالی و پختہ مشقی کی بدولت وہ بالآخر خود ہی ایک کامیاب استاد بن گئے۔ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم اوائل عمر ہی کے زمانہ سے کس قدر طباع وذکی واقع ہوئے تھے اسی طباعی وذکات فطری نے آگے چل کر دنیائے ادب میں وہ کار نمایاں کئے کہ آج نظر مرحوم کا شمار لکھنو کے نامی اساتذہ میں یقیناً

کیا جا سکتا ہے جس کے وبہمہ وجوہ اہل تھے سب سے پہلا علمی کام جس کو نظر انہمانی نے ایک مستقل صورت میں شائقین علم وادب کے سامنے پیش کیا وہ خدنگ نظر،، نامی ماہوار رسالہ کا اجراء تھا۔ یہ ستمبر ۱۸۹۷ میں لکھنو سے شائع ہوا کئی سال ہوئے کہ مجھے اتفاق سے اس پرچہ کی چند پرانی کاپیاں مل گئیں تھیں اور جو میری غفلت سے تھوڑے ہی دنوں بعد ضائع بھی ہوگئیں یہ رسالہ دراصل اردو غزلیات کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا۔ اس وقت ملک میں اس قسم کے گلدستوں کو نکالنے کا رواج بھی تھا مگر خدنگ نظر میں بعد کو کچھ نثر کے مضامین بھی چھپنے لگے تھے جناب آغا مظہر مرحوم نے بھی اس رسالہ کو کامیاب بنانے میں خاصی مدد دی تھی غزلیات کی فراہمی کے لئے انھوں نے مشاعروں کے انعقاد کا کافی بندوبست کیا تھا۔ غرض کہ اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ شعرائے وقت کا کلام زیادہ سے زیادہ پیانہ پر دستیاب ہو سکے اور خدنگ نظر ایک چوٹی کا رسالہ ہو وقت کے لحاظ سے پرچہ بھی واقعی شاندار تھا لیکن ان سب باتوں با جود بھی وہ چند سالوں سے زیادہ نہ رہ سکا۔ نظر مرحوم کو اس کے بند ہو جانے کا رنج تمام عمر رہا۔ بعد ازاں وہ ۱۹۰۴ء میں رسالہ زمانہ (کانپور) کے سب ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔ اور میری ناچیز رائے کے موافق نظر صاحب کے علمی مساعی سے زمانہ کی ابتدائی شہرت میں اضافہ ہوا اسی نسبت سے ان کی ذاتی شہرت کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا گیا۔ جنوری ۱۹۱۰ء میں انڈین پریس الہ آباد سے اردو کا مشہور ماہوار رسالہ ''ادیب'' بڑی آب وتاب کے ساتھ نکالا ''ادیب'' کی یاد سے دل میں اب تک کسی قدر بے چینی ضرور ہو جاتی ہے۔ نظر مرحوم اس کے اول ایڈیٹر تھے۔ اس کو اردو زبان کی بدنصیبی ہی کہنا چاہے کہ ایسا اچھا ہونہار پرچہ ساڑھے تین سال سے زیادہ جاری نہ رہ سکا اور اس سے نظر صاحب کا تعلق تو صرف ڈیڑھ سال کے قریب رہا۔ انھوں نے جس غیر معمولی قابلیت کیساتھ رسالہ کو ایڈیٹ کیا تھا۔ اس کی شہادت ادیب کے

اوراق کہنہ سے آج بھی مل سکتی ہے بہر حال یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ نظر مرحوم کی ادبی شہرت کا آغاز خدنگ نظر کے اجراء سے ہوا تھا اور بعدہٗ جس کی ترقی میں رسالہ زمانہ کی سب ایڈیٹری نے معقول مدد دی تھی۔ وہ بالآخر ادیب کے زمانہ ادارت میں قریب قریب اپنی حد تکمیل کو پہنچ گئی تھی۔ ادیب سے الگ ہو جانے کے کچھ دنوں بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں وہ ''زمانہ'' کے دفتر چلے گئے۔ اور اس مرتبہ ان کا قیام وہاں تقریباً دو سال تک رہا۔ ان کی موجودگی سے پرچہ میں ایک قابل قدر دلکشی پیدا ہوگئی تھی ایڈیٹر صاحب زمانہ کی ندرت آفرینیوں کی شمولیت سے ایسا ہونا بالکل ایک قدرتی امر تھا اس وقت رسالہ زمانہ میں دو ایک نئے عنوانوں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے ۱۹۱۴ء میں نظر صاحب بسلسلہ ملازمت نو لکشور پریس لکھنو میں چلے گئے اور وہاں سے نکلنے والے روزانہ اودھ اخبار کو ایڈٹ کرنے لگے۔ اس اخبار سے مرحوم کا تعلق سال گذشتہ تک رہا علمی مشاغل میں مصروف رہنے والے اشخاص کی زندگی اور بالخصوص شاعر کی زندگی بالعموم ایک سخت محنت کی زندگی ہوتی ہے شاعر کے لئے ایک نامور شاعر بن جانا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کیلئے اسے اپنا لہو پسینہ ایک کر دینا پڑتا ہے شاعر کی مثال اس چیز سے دی جا سکتی ہے جو جلنے پر ہی خوشبو دیتی ہے شہرہ آفاق انگریز مصنف اسمائلر کا بھی قول ہے۔ شاعر کا تاج شہید کا تاج ہوا کرتا ہے اس کے علاوہ اگر اسے کسب معاش کی فکر دامنگیر ہو تو پھر اس کی جانکاہیوں کا کیا ٹھکانہ؟ نظر صاحب کی حالت میں بھی صرف یہی ساری باتیں وقوع پذیر نہیں ہوئی تھیں بلکہ مزید برآں ان کو اپنے عزیز ترین اقربا کی بے وقت موت کا غم بھی برداشت کرنا پڑا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر دو ڈھائی برس سے مرحوم کی صحت زیادہ خراب رہنے لگی۔ اس خرابی نے ضیق النفس کی صورت اختیار کر لی اور وہ بالآخر اس عارضہ کے سبب ۱۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کو آٹھ بجے صبح ۵۶ سال کی عمر میں یکا یک انتقال فرما گئے۔ اردو کے موجودہ انحطاط کے

زمانہ میں امید نہیں کی جاسکتی کہ نظر صاحب کی قبل از وقت وفات سے جو مخصوص جگہ بزم ادب میں خالی ہوگئی ہے وہ جلدی پر ہو سکے جناب محشر لکھنوی نے ذیل کے دلچسپ شعر میں مرحوم کی تاریخ کی وفات لکھی ہے۔

کلک محشر نے لکھا سال وفات
شاعر کامل نظر سے چھپ گیا
۲۳ ء ۱۹

مجھ ہیچمدان کی یہ بساط نہیں کہ نظر جیسے فاضل ادیب و مایۂ ناز سخنور کے علمی کارناموں پر تبصرہ کرسکوں۔ مرحوم سے میرا کوئی خاص تعارف نہیں تھا البتہ مجھے ان کی ذات بابرکات سے ایک غائبانہ عقیدت ضرور تھی ایسی عقیدت کی اقتضا سے مجبور ہوکر میں اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ ایک ایسے زمانہ سے تعلق رکھتا تھا جب کہ اردو شاعری کی سلیس غزل گوئی کا عام رواج تھا اور جب کہ کسی شاعر کا صاحب دیوان ہونا ہی ایک بہت بڑی بات خیال کی جاتی تھی غزل کی صنف فی الواقع ایسی صنف ہے جو اپنی معنوی خصوصیات کے اعتبار سے عشق حقیقی یا عشق مجازی کے مختلف جذبات کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتی ہے عشق کا خاصہ سوز و درد ہے بس ظاہر ہے کہ ایک غزل گو شاعر کے دل میں سوز و درد کا مادہ جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر شاعر کی کامیابی بھی یقینی ہے ان باتوں کے لحاظ سے نظر مرحوم کی طبیعت خاص طور پر موزوں واقع ہوئی تھی وہ ازل ہی سے ایک دردمند دل لے کر آئے تھے وقت کی مذکورہ بالا خصوصیات نے بھی ان کے دل پر اپنا اثر ڈالا تھا وہ غزل گوئی کی طرف رجوع ہوئے اور کہنہ مشقی کے ساتھ ساتھ ان کے درد و سوز والے دلی جذبات میں بھی دن بدن اضافہ ہوتا گیا مصیبت آلام و مشکلات نے بھی اضافہ میں کافی حصہ لیا تھا یہاں تک کہ اخیر چند سالوں سے تو وہ اپنی زندگی کو وبال سمجھنے لگے تھے اس طرف رفتار زمانہ سے متاثر ہوکر مرحوم نے نیچرل رنگ میں بھی طبع آزمائی کرنا شروع کر دیا تھا مگر یہاں بھی ان کا فطری رجحان بعض اوقات اپنی انتہائی نمود کی حالت میں نظر آجاتا تھا وہ نسبتاً غزل ہی زیادہ کہتے ہیں اور واقعی بات تو یہ ہے کہ ان کی غزلیں ہر پہلو سے دلچسپ ہوا کرتی تھیں انھیں اس صنف میں درجہ کمال حاصل تھا اس لحاظ سے اس وقت ان کا ہمسر شاید کوئی قرار دیا جاسکے کم از کم میرا خیال تو یہ ہے کہ نظر مرحوم فن غزل گوئی میں یکتائے عصر تھے۔ ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ نظر صاحب کی نیچرل نظموں میں بھی تغزل کا عنصر بیشتر غالب رہتا تھا اور راست گوئی مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے جب کبھی انھوں نے ایسی نظموں کی تصنیف میں اپنی مقررہ روش سے متجاوز ہونے کی کوشش کی تو ان میں وہ تاثر نہیں پیدا ہوسکتی جو دل پوشیدہ ترین جذبات کو متحرک کر سکے لیکن اس سے مرحوم کے استادانہ اقتدار میں کوئی فرق نہیں آتا۔ خدائے سخن مرزا غالب دہلوی سے دبیر یا انیس لکھنوی کے طرز پر مرثیہ گوئی کی فرمائش کی گئی تھی تو آپ نے مشکل سے دو تین بند لکھے اور پھر یہ کہہ کر معذرت خواہ ہوئے کہ مجھے ایسی مشق بہم پہنچانے کے لئے اب کسی دوسری عمر کی ضرورت ہے بات یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ایک خاص رغبت رکھتا ہے اور اسی کیمطابق لگاتار سعی و محنت کرنے پر اس کو بالآخر درجہ کمال حاصل ہوجاتا ہے نظر مرحوم میں بھی یہی بات تھی اشعار ذیل ملاحظہ ہوں۔

بہار میں ہے یہ ناز آفریں ادائے بہار
قدم زمین پہ رکھتی نہیں ہوائے بہار
غضب ہے شعلہ افشاں گرمی ادائے بہار
جدھر سے آگ لگی لے اڑی ہوائے بہار
وہ ایک تم کہ سراپا بہار و نازش گل
وہ ایک میں کہ نہیں صورت آشنائے بہار
بلا سے پیتے ہی پیتے چمن میں مر جاؤں

کسے امید ہے پھر آئے یا نہ آئے بہار
زمیں پہ لالہ گل بن کے آشکار ہوا
چھپا نہ خاک میں جب حسن خود نمائے بہار
تعلق گل وشبنم ہے راز الفت بھی
انھیں ہنسائے جہاں تک ہمیں رولائے بہار
وہ ایک دل جو کھلا اور کھل کے مرجھایا
ہے ابتدائے بہار اور انتہائے بہار
جہاں میں کس لئے کھلتے ہیں اب یہ لالہ گل
دل نظر نہیں مدت سے آشنائے بہار
کہاں ہیں جرعہ کش لطف ابتدائے بہار
وہ آئے ابر کے ٹکڑے چلی ہوائے بہار
وہ جھوم جھوم کے چاروں طرف گھٹا چھائی
ہوا نے کھول دی وہ زلف مشک سائے بہار
وہ شور رعد سے سارا جہان گونج اٹھا
ہوئی وہ دھوم سے پھر آج ابتدائے بہار
کڑک رہی ہے وہ بجلی گرج رہا ہے وہ ابر
بجا رہی ہے وہ ساز طرب ہوائے بہار
رہے نہ تن پہ کسی کے لباس بوسیدہ
نئے لباس درختوں کو پھر پہنائے بہار
چمن میں ابر کے چھینٹے کریں مسیحائی
خزاں کی فصل کے کشتوں کو پھر جلائے بہار

یہ اشعار مرحوم کی دونظموں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ یہاں اقتباس نمبر۲ کے اشعار میں بھی کافی شگفتگی موجود ہے اوران میں بہار (یا شگال) کے مناظر کی ایک عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے لیکن یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ شاعر نے جوتاثر اقتباس نمبر۱ کے اشعار میں پیدا کر دی ہے وہ یہاں مفقود ہے اس کی وجہ محض یہی نہیں کہ نمبر۲ والے اشعار میں تغزل کا رنگ کم ہے یا تاثر کا وجود صرف طرز تغزل کے ساتھ ہی وابستہ ہوا کرتا ہے بلکہ دراصل مرحوم میں اس خاص بات کا نہ ہونا ہے جو کسی بڑے شاعر کے طبعی خاصہ کے موافق نظم کے کسی خاص شعبہ میں کافی تاثر ودلکشی پیدا کر سکتی ہے مرحوم کے دو مسدسوں کے دو دو منتخب بند ملاحظہ ہوں۔

ہوا تمام امیدوں کا خاتمہ تم پر
کسی سے اب نہ توقع نہ ہے کسی پہ نظر
جہاں میں اپنا ہو انجام کیا نہیں ہے خبر
مرے پہ دیکھیے ملتا ہے اب کفن کیونکر
کہاں گئے مری بگڑی سنوارنے والے
پکار لو مجھے لالہ پکارنے والے

تھمو تھمو کہ اس اجڑے مکاں کا تھا یہ چراغ
بہار پر تھا اسی نونہال سے یہ باغ
نہ ہوگا اب مجھے حاصل کبھی جہاں میں فراغ
تمام عمر دل ناتواں ہے اور یہ داغ
فغان بلبل جاں دل کے پار ہوتی ہے
نظر کے باغ سے رخصت بہار ہوتی ہے

برادران وطن کا پیام غم سن لو
حکایت ستم و قصہ الم سن لو
سنے نہ ہوں جو زمانے میں وہ ستم سن لو
غریب قوم کا احوال بیش و کم سن لو
جہان سے رخصت بیمار ہے خدا حافظ
جنازہ قوم کا تیار ہے خدا حافظ

اب ہم معزز ناظرین کے تفنن طبع کے لئے نظر صاحب کے

کلام کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس کا انتخاب رسالہ زمانہ کی متعدد جلدوں سے کیا گیا ہے۔

درد اٹھا تھا نہ ایسا قلب شیدا میں کبھی
یہ ہجوم غم ہوا ہم پر نہ دنیا میں کبھی
اشک خونی بار ہا ٹپکے تھے آنکھوں سے مگر
اس قدر سرخی نہ تھی خون تمنا میں کبھی
خشک ہوتا ہے وہ دریائے محبت آہ آہ
جس کی طغیانی رکی دم بھر نہ دنیا میں کبھی
ہوگیا آغوش مادر بھی جدا آج اے نظر
اب ملے گی ایسی راحت پھر نہ دنیا میں کبھی

یہ اشعار اس نظم سے لئے گئے ہیں جو وفات مادر کے عنوان سے شائع ہوئی تھی ماں کی محبت ضرب المثل ہے۔اس کی موت سے جو یاس انگیز کیفیت دل پر طاری ہوتی ہے' اسے ان اشعار مین نہایت سادہ مگر درد آمیز اور موثر طریقہ پر دکھلایا گیا ہے۔دوسرے شعر میں تغزل کا گہرا رنگ ہے اور آخری شعر کو حسرت و یاس کا ایک جاندار مرقع کہنا بیجا نہ ہوگا

گردش دہر بھی اک گردش پیمانہ ہے
ذرے ذرے میں ترا جلوہ مستانہ ہے
اک طبیعت کی ادا سی کا اثر ہے اتنا
ساری دنیا نگہ یاس میں ویرانہ ہے
حالت محفل عشرت ہے رقم سب اس میں
ایک دفتر کے برابر' پر پروانہ ہے
پر تو مہر کجا ذرہ ناچیز کجا!
کیوں یہ دل حسرتی، جلوہ جانانہ ہے
تیرے ملنے کی وہ تقریب جو ہے یاد اب تک
جس سے کہتا ہوں وہ کہتا ہے اک افسانہ ہے

جس غزل کے یہ اشعار ہیں وہ موسم بہار میں لکھنو کے ایک نامی مشاعرہ میں پڑھی گئی تھی۔حقیقتاً غزل کی غزل مرصع ہے پہلے شعر میں معشوق حقیقی کے جلوہ مستانہ کی شمولیت کے اعتبار سے گردش دہر کو گردش پیمانہ ثابت کر دکھانے میں شعر نے غضب کی ندرت آفرینی سے کام لیا ہے۔تیسرا شعر بھی عدیم المثال ہے' محفل عشرت کی واقعی عبرت ناک حالت کا انکشاف کرنے کے لئے پر پروانہ کا دفتر ہی نہایت موزوں ہے' پانچویں شعر کی سادگی اور اس کے مفہوم کی دلچسپی قابل غور ہے افسانہ کے استعمال سے تقریب ملاقات کی انتہائی دلکشی کا پتہ چلتا ہے۔اور اس دلکشی سے اسباب دلکشی کی گونا گونیوں کا اظہار ہوتا ہے۔

ہر قدم پر باغ عالم میں بچھا ہے دام حسن
کون ایسا ہے جسے ذوق گرفتاری نہیں
میری حالت دیکھکر کیوں تم نے ٹھنڈی سانس لی
بے کسوں پر رحم آئین ستمگاری نہیں
اس کو رحم آئے کہاں یہ نا امیدی میں امید
دل کو خوش کرنا ہے شغل گر یہ وزاری نہیں
ہر طرف سے یہ صدا آتی ہے ملک حسن میں
یہ وہ دنیا ہے جہاں رسم وفاداری نہیں

دوسرا شعر طرز تغزل کی ایک نادر مثال ہے۔غم دوست عاشق اپنے معشوق کی ادائے جفا پر مٹا ہوا ہے اور اس کو آئین ستم گاری کی یاد دلا کر اپنے اوپر رحم کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے۔آخری شعر کا مضمون اگرچہ فرسودہ ہے لیکن حسن بندش نے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

یاس و ناکامی سے بے حس قلب مضطر ہوگیا
اب ترا ملنا نہ ملنا سب برابر ہوگیا
آپ کا بیمار غم اور ضعف کی مجبوریاں !
ساری دنیا کا خلاصہ ایک بستر ہوگیا

مذکورہ بالا ہر شعر میں شان تغزل بھی ہے اور جدت طرازی کی نمود بھی۔

دل کی حالت نہیں سنبھلنے کی
اب یہ دنیا نہیں بدلنے کی
دیکھ لو سیر دم نکلنے کی
یہ ہوا پھر نہیں ہے چلنے کی
دل سوزاں کو شمع کیا کہئے
اس کو حسرت کہاں ہے جلنے کی

دوسرے شعر میں "سانس لینے کی تشبیہہ "ہوا چلنے" سے دینا اور اسی کی رعایت سے "سیر" کا لفظ لانا کس قدر تناسب آمیز ہے۔ آخری شعر میں حد درجہ کی نازک خیالی سے کام لیا گیا ہے۔ دل سوزاں کو شمع پر فوقیت دی گئی ہے۔ کیونکہ دل میں جلن کے ساتھ ہی جلنے کی حسرت بھی موجود ہے

امید زیست کیا ہو اس مریض رنج و حرمانی
دوا پیدا نہیں دنیا میں جس کے درد پنہاں کی
خزاں انجام ہے سب کی بہار چند روزہ کا
بہت روتا ہوں صورت دیکھ کر گلہائے خندانکی
یہ دو چیزیں ہیں جن کو ہم نے آنکھیں کھولکر دیکھا
سفیدی صبح محشر کی سیاہی شام ہجراں کی
سنا ہوگا شرار عشق سے دوزخ بھی کانپ اٹھا
مجھے دیکھو کہ ایسی آگ اپنے دل میں پنہاں کی

نظر اب چل کے کرنا چاہئے آباد مرقد کو
بہت ہے منتظر اپنی زمیں گور غریباں کی

سب اشعار تاثیر سے مملو ہیں نظر مرحوم نے اپنے دل کی دردانگیز حالت کا نقشہ نہایت کامیابی کے ساتھ کھینچا ہے' غزل کیا ہے غمزدہ شاعر کے احساسات باطنی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ مرحوم نے اپنے مخصوص شاعرانہ لہجہ میں بالکل سیدھے سادے الفاظ کے ذریعہ اپنی بپتی کہہ سنائی ہے۔ آخری شعر گویا اپنے اوپر کے چاروں اشعار کا خلاصہ ہے جس کے بعد اور کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بے پروبالی ہوئی ہے باعث شادی مجھے
خانہ صیاد میں حاصل ہے آزادی مجھے
زندگی کا لطف تھا زندہ دلی تک اے نظر
مرگیا جب دل تو یکساں ہیں غم و شادی مجھے

پہلے شعر میں بے پروبالی کے تعلق سے قفس میں بھی آزادی کا دکھلانا بالکل اچھوتا خیال ہے۔ دوسرے شعر میں شاعر نے اپنی نسبت سے ایک فلسفیانہ نکتہ کو منظوم کر ڈالا۔ طرز بیان قابل داد و ستائش ہے۔

سوزاں غم جاوید سے دل بھی ہوجگر بھی
اک آگ کا شعلہ کہ ادھر بھی ہے ادھر بھی
اپنی شب ہجراں میں نہیں دخل تغیر
باطل ہے یہاں فلسفہ شام و سحر بی
وہ شمع نہیں ہے کہ ہو اک رات کی مہماں
جلتے ہیں تو بجھتے نہیں ہم وقت سحر بھی
اب یاس ہے ایسی کہ نہ وہ رنگ نہ تاثیر
پانی دم گریہ ہے نظر خون جگر بھی

مذکورہ بالا اشعار میں شعریت بھی ہے اور مرحوم کی انتہائی مغمومیت کا شائبہ بھی پھر سادگی اور صفائی تو ان کی شاعری کے لئے دو

لازم و ملزوم امور ہیں۔

آسماں سے چلے وہ قطرۂ آب!
جن سے پیاسی زمین ہو سیر آب!
چمن و سبزہ زار ہوں شاداب!
اور پیدا نہوں بحر میں گرداب!
ساری دنیا کو پالنے والے!
جان مردوں میں ڈالنے والے!
سخت تھا انتظار بارش آب!
قطرہ قطرہ تھا گوہر نایاب!
تابش مہر تھی جہاں کو عذاب!
دل تڑپتے رہتے تھے صورت سیماب!
ابر نے کی جو قطرہ افشانی!
ساری گری پہ پھر گیا پانی!

اے کلی!

قمر زمانی بیگم ---------

وہ کلی، جو رات میں ایک چاندنی رات میں، خدا جانے کس وقت، میرے دھڑکتے ہوئے سینے پر کھلی بھی اور مرجھا بھی گئی۔ سچ بتا تو کیا ہے؟

اے گرہ رنگ و بوائے عقدہ بہار شاعر تجھے صرف چند پتیوں کا مجموعہ پریشانی کہتے ہیں، کہنے دے، مگر میں تو تجھے ایک برقعہ پوش نازنین سمجھتی ہوں اور تیری حس کی قائل ہوں کہ صبح تک تو میرے ہم نفس ہونے کا بھی بار نہ اٹھا سکی۔

رات کو جب میں نے تجھے اپنے بے قرار دل پر بے چین پایا تو گھنٹوں تیری ننھی ننھی جنبش کو دیکھتی رہی اور غور کرتی رہی کہ اگر تجھ کو الگ کر دوں تو شاید میں اپنا اضطراب نہ دیکھ سکوں گی۔ تو ہلتی تھی تو میں سمجھتی تھی کہ میرا دل دھڑک رہا ہے۔ اس لئے میں نے تجھے کہ تو بھی میرے ہی ننھے سے دل کی طرح تھی وہیں سر پٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں نہیں کہتی کہ تو نے مجھے کچھ سکون دیا مگر ہاں خدا جانے کیوں تیری جنبش، تیرے سمیں تنفس کے اندر میں نے خاموش لوریوں کا سا لطف اٹھایا اور سوگئی تو بدستور اپنا تنہا سر میرے سینہ پر پٹکتی رہی، تو اسی طرح میرے سینہ پر لہریں سی لیتی رہی، گویا تو ایک نقرئی چھوٹی سی کشتی تھی جو بلوریں سطح آب پر ڈگمگا رہی تھی۔

جب چاند کی کرنیں میرے پریشان بالوں کو آخری بار چوم کر آہستہ آہستہ دبے پاؤں چلی جا رہی تھیں۔ جب صبح کی روشنی میرے تلوؤں میں گدگدی سی پیدا کر رہی تھی، جب بادنسیم کے نرم و نازک ہاتھ میرے آنچل کو تان تان کر رہ جاتے تھے جب میری پازیب کے گھنگروؤں میں جھنکار آہستہ آہستہ بیدار ہونا چاہتی تھی، ہاں جب عمان نور کی فضا میں میری انگڑائیوں سے ایک مدو جزر کی کیفیت پیدا رہی تھی تو میری پلکیں ایک دوسرے سے جدا ہوئیں اور میری چڑھی ہوئی پتلی جو بادل میں نصف چھپے ہوئے چاند کی طرف نظر آتی تھی سب سے پہلا تجھی پر پڑی۔ مگر اب تو کلی نہ تھی اک پھول تھی مرجھایا ہوا---- ہائے تو نے مجھے سوتے ہوئے کس رنگ میں پایا کہ تیرا سارا گریبان چاک ہے تو نے مجھ میں وہ کونسی بات دیکھی کہ تیرا کلیجہ پاش پاش ہے۔ کاش میں تجھے دیکھ سکتی جب تجھ میں اول اول جنبش شگفتگی پیدا ہوئی، میں اندازہ کر سکتی کہ تیری قبائے احرام کیونکہ تار تار ہوئی۔ خدا جانے تیری پنکھڑیوں میں سب سے پہلی سکن کس طرح پڑی ہوگی۔ اور افسردگی کا یہ زرد سا ملگجا رنگ کیونکر رفتہ رفتہ ان پر چڑھا ہوگا۔ آہ! میں کیوں سوئی۔ میں نے تجھے کیوں موقع دیا، میری نیند میں تو اپنی آنکھیں کھول کر تباہ و برباد ہو جائے۔

کیا تو اب پھر کلی نہیں ہو سکتی۔ کیا پنی پنکھڑیاں سمیٹ کے تو اپنی ردائے سیمیں پر نہیں لپیٹ سکتی -----۔ نہیں تو نہیں کر سکتی، میں جانتی ہوں کہ اب تو صرف آفتاب کی کرنوں کا انتظار کر رہی ہے کہ وہ تیری رہی سہی تازگی کو جذب کر لیں۔ اور خشک ہو کر میرے سینہ سے جدا ہو جائے، مگر نہیں میں ایسا کبھی نہ ہونے دوں گی۔ تجھے خاک ہو جانے کی مہلت نہ دوں گی، ہوا کا حصہ صرف تیری نکہت تھی سو وہ لے اڑی، تیرا جسم میں محفوظ رکھوں گی، تیرا تن نازنین میری اس رات کی یادگار ہے جب میں نے کسی کی یاد میں وہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر میں کسی سے نہیں پوچھ سکتی۔ اور اس لئے تو ہمیشہ اسی خواب کے پاس رہے گی۔

میں تجھے موقع (البم) میں وہاں رکھوں گی جہاں میں کاغذ پر اب بھی خواب ہی دیکھ رہی ہوں۔

اے کلی، اے پژمردہ کلی، اے خشک ہو کر خاک ہو جانے والی کلی، آرام کر تو نے میرے سینہ پر ایک رات بسر کی ہے، تو تیری خاک بھی میرے دامن میں رہے گی۔

احساس کی مصوری

ریاض صدیقی

۱۹۵۰ء کے بعد عالمی تغیرات کی رفتار اچانک تیز تر ہوگئی، طویل جغرافیائی مسافتیں سمٹ کر کم تر ہوگئیں، سمندر کی گہرائیوں سے خلائے بسیط تک انسانی قدموں کی آہٹیں گونج اٹھیں انسان نے اجتماعی جہدوعمل کے ذریعہ بحروبر کا گریبان چاک کردیا۔ اور نئے راستے تلاش کرلئے۔ اضافیت ومقداریت اور بیسویں صدی کے آئن سٹائینی تصور مادیت نے نیوکلیر سائنس کو عوامی معاشرے کے رگ وپے سے قریب کردیا ہے اور ہمارے حسی نظام پر خصوصاً ایشیائی، افریقی ممالک میں جدید سائنس اثر اندارز ہورہی ہے، ہمارا مزاج سائنسی اسرار ورموز کی حدوں کے عرفان تک پہنچنے سے قبل ہی اس کی عملی شکل سے مفاہمت پر مجبور ہوگی۔ یورپ کے مقابلے میں ایشیائی، افریقی ممالک کی معاشرتی پیچیدگیاں کئی گنا زیادہ ہیں۔ یہ علاقے نیم ترقی یافتہ ہیں ان پر نئی سائنسی قدروں کا بکھراؤ' سیاسی اور سماجی نظریوں کی ریل پیل اور معاشرے کی طبقاتی تقسیم کا سیلاب بھی ہے آزادی اور سماجی خودمختاری کا احساس اور ترقی یافتہ ملکوں کی جنگجو مصلحتوں کا خوف بھی ہے، جس نے افریقی، ایشیائی ممالک میں جگہ جگہ ناسور بنارکھے ہیں۔ چنانچہ یہاں معاشرتی اور اعصابی ہیجان روز افزوں ترقی کی جانب مائل ہے، لسانی اختلافات علاقائی مفادات اور تہذیبی وحدت کے مسائل اسی ہیجان کا سبب ہیں۔ ان تمام مجموعی کیفیات سے جو ذہنی بحران پسماندہ ممالک میں پیدا ہوا ہے، اسکی ماہیت بہت گنجلک ہے، قدیم کلاسیکی اور روایتی قدریں، جہاں فرد کی عظمت اور اس کی انفرادیت تاریخ میں نمایاں تھی نئے اقدار سے بری طرح متصادم ہیں اور جدید قدیم کو شکست پر مجبور کررہا ہے۔

۱۹۵۰ء سے قبل سائنس وصنعت کی ایک محدود شکل دیکھ عوام کو جو اعتماد اور یقین دستیاب ہوا تھا عصر حاضر کے پیچیدہ سائنسی نظام نے اس کو مجروح کردیا ہے، فرد کی قیمت اور ذاتی وجود کی مرکزیت کا برق رفتار انحطاط اس عہد کا سب سے اہم رجحان ہے۔ پاکستانی ادب پر ان رجحانات کا ابھار ۱۹۵۰ء کے بعد رونما ہوا ہے یہاں ہمیں فلسفہ وجود اور ذاتی حیثیت کی جستجو کا ایک نیا احساس ملتا ہے، جہاں شدید تنہائی، بے چارگی اور یاسیت شاعری پر اثر انداز ہورہی ہے اور اپنی انتہا پر پہنچ کر غیر یقینیت اور اعصابی اضمحلال کا روپ دھار لیتی ہے۔ ناصر کاظمی، مصطفیٰ زیدی، مختار صدیقی، سلیم اور، ظفر اقبال، احمد فراز اور دوسرے نوجوانوں کی یہاں یہ رنگ پوری طرح عیاں ہے، یہ فنکار ایسی بھول بھلیاں میں بھٹک رہے ہیں جہاں منزل کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

تصنع سے طبیعت بھر گئی ہے
کوئی سچی مسرت چاہتا ہوں
(عدم)

ہم اپنے وجود کے ہیں منکر
منکر نہیں ذات کبریا کے!
(بشیر احمد بشیر)

مجھے گرنا ہے تو خود اپنے ہی قدموں پر گروں
جس طرح سایہ دیوار پہ دیوار گرے!
(شکیب)

مرے وجود پہ ہے قتل کی فضا کا طلسم
برہنہ پاؤں میں ہیں سلسلے کہانی کے
(ظفر اقبال)

میں وہ چراغ سرِرہ گزار دنیا ہوں
جو اپنی ذات کی تنہائیوں میں جل جائے
(عبیداللہ علیم)

ذات کے کرب میں بازار کی رسوائی میں
تم بھی شامل ہو اس انبوہ کی تنہائی
(مصطفیٰ زیدی)

جیلانی کامران نے نقوش کے شمارہ اگست ۱۹۶۹ء میں مصطفیٰ زیدی کی چند ایسی نظموں کا تعارف کرایا ہے جو عصر حاضر کے ہیجان اور شاعر کے داخلی انتشار کی نمائندہ کہی جا سکتی ہیں۔ اس الجھن نے اکثر شاعروں کے یہاں ترک دنیا نہ سہی لیکن عرفان حقائق کا رجحان ضرور پیدا کر دیا ہے اور ایک بار پھر مابعدالطبعیاتی خیال آرائی کا قلماؤ "CRYSTALLISATION" وجود پذیر ہوا ہے۔

ہستی فنا میں ہے کہ بقا میں پتہ ملے
ہم جوئے کوہسار تھے دریا میں آملے!
(یوسف ظفر)

مجھے بھی ڈھونڈ، کبھی محو آئینہ داری
میں تیرا عکس ہوں لیکن تجھے دکھائی نہ دوں
(احمد فراز)

تسخیر مہ و انجم کے باد صف بھی انساں
جبراں ہے کہ کچھ راز خدائی نہیں ملتا!
(سیف زلفی)

فگار پاؤں مرے اشک نارسا میرے
کہیں تو مل مجھے اے گم شدہ خدا میرے
(مصطفیٰ زیدی)

یہ شدید جذبہ یافتگی ان شاعروں کے یہاں ابھرتا ہے جنھوں نے خود کو مارکسی تصور مادیت کا پابند نہیں بنایا ہے اور کائنات کے مربوط نظام کو خارجیت کی نظر سے دیکھنا گوارہ نہیں کیا ہے یا وہ ہیں جو مارکس کی تاریخی منظر کشی سے متفق ہیں لیکن اس کی مذہب دشمنی کو قبول نہیں کرتے اس طبقے کے شاعر جو بڑی حد تک شعر گوئی کو ذہن اور جذبات کی ایک بے چین کروٹ اور وجدانی ردعمل تصور کرتے ہیں، کائنات کی صورت گری اور حیات کے اسرار اور رموز کو پالینے کے متمنی ہیں۔ وہ کائنات اور زندگی کے سروں کی جستجو کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ سرے ملتے نہیں ہیں۔ وہ زندگی کے بارے میں ماورائی خیال کو مطلق قدر بنانا چاہتے ہیں، لیکن حیاتیاتی اور طبعیاتی صداقتیں (Biological And Physical Realities) زندگی کی بوقلمونیوں اور پراسراریت (Suspense) کو ختم کر دیتی ہیں تاہم یہ صداقتیں فطرت انسانی کے گوشوں میں چبھنے والی خلش کا مداوا نہیں بن پاتیں۔ فطرت ذہن میں خیالات کا بے ربط ہجوم بن کر کسی نامعلوم انتہا کے راز کا پتہ دیتی ہے۔

یہ رجحانات تصوف کی خیال پرستی سے ہم آہنگ ہیں اور بتاتے ہیں کہ انسانی تاریخ نے جہاں جہاں تمدنی حالات میں غیر یقینیت پیدا کی ہے شاعری نے وہی روش اختیار کی ہے جو کبھی حافظ و خیام اور رومی و سعدی کو جنم دیتی ہے۔ کبھی میر درد اور شاد عظیم آبادی کو کبھی فانی اور یگانہ کو اور کبھی سراج الدین ظفر اور احمد ندیم قاسمی کو۔ عصر حاضر کے شاعر اس اعتبار سے بلند ہیں کہ ان کی تصور پرستی اور وجدانی کیفیات کائنات اور معاشرے سے مربوط ہیں وہ مزاج خانقاہیت۔ ترک دنیا اور قیام و تجود و کشف والقا کی بے عمل لہروں سے محفوظ ہیں صوفیانہ تصور آرائی ندیم قاسمی اور سراج الدین ظفر کے یہاں خود تراشیدہ پیانوں میں ڈھل کر زیادہ واضح اور سادہ ہو جاتی ہے عملی اور اخلاقی تصوف نہیں ہے بلکہ ذہنی خط سفر ہے۔ ندیم اور ظفر نے مکمل طور

پر ایک وضح خط اظہار کی بنا رکھی ہے ایک نیا دبستان قائم کیا ہے۔ جہاں زندگی مادی اور روحانی اختلاط سے مل کر ایک مکمل اکائی بن جاتی ہے ۔فلسفہ تصوف کے مطابق انسان بہ مع کائناتی حسن کے گوناگوں مظاہر ایک جمال کل کا پرتو ہے جو آخرش جمال کل میں کھو جاتی ہے ۔مولانا روم فنا کو دیباچہ بقاء قرار دیتے ہیں۔

این بقا با از فنا یافتی
از فنا پس رو چرا بر تافتی

میر درد کے یہاں یہی خیال ملتا ہے

گر دیکھئے تو مظہر آثار بقا ہوں
اور سمجھئے جوں نکس مجھے محو فنا ہوں

یہی وحدت الوجود ندیم اور یوسف ظفر کے یہاں نظر آتی ہے

کون کہتا ہے کہ کھو جاؤں گا مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا
ہستی فنا میں ہے کہ بقا میں پتہ ملے
ہم جوئے کوہسار تھے دریا میں آ ملے

کشف عرفان کی تلاش میں مرحلہ ہے خواجہ حافظ کہتے ہیں

کس ندانست کہ منزل گہہ مقصود کجا است
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

ندیم کہتا ہے

سمجھ میں آنہ سکا یہ طلسم لیل و نہار
کہ دن طلوع نہ ہو پائے اور شام آجائے

صوفیا انسان کو ارفع و اعلیٰ مخلوق تصور کرتے ہیں انسان صانع عام کا مظہر ہے اور وحدت انسانی ذات میں گم ہے

وحدت از مطلعت ہویدا شد
دو تو گم گشت و از تو پیدا شد

ندیم کے یہاں یہی احساس، توانائی اور اعتماد کی روش شعاعوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے اور اس توانائی کو بنیاد بنا کر سماج اور کائنات کی صداقتوں کی ترجمانی کرتا ہے

خدا کے ذہن کا فن پارہ عظیم ہوں میں
تمام دہر کا دولہا ہوں میں ندیم ہوں میں
خدا شناس بھی ہوں اور خود شناس بھی ہوں
خدا سے دور بھی ہوں اور خدا کے پاس بھی ہوں

پروفیسر ممتاز حسین کو ندیم کے یہاں انسان کو حسین و طاقتور بنانے والا فلسفہ وحدت الوجود ملتا ہے۔ یہ خدا استحصال و جبر کے خلاف جدوجہد۔ سائنسی اقدار کے ارتقاء اور انقلاب کے عمل میں مانع نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہی وہ حسن فکر اور طمانیت ہے جو ندیم کو کرب و ہیجان سے بچا کر صاف راستوں پر لے آتا ہے۔اور وہ عصر حاضر کے شاعروں میں اپنی کاملیت کا مرتبہ پالیتا ہے۔

کھڑے ہیں کس کے اشارے سے یہ بلند پہاڑ
یہ کس کے حکم سے لہریں ہیں محو رقص و سرور
میرے محبوب تری پردہ نشینی کی قسم
میں نے اشکوں کی قطاروں مین تجھے دیکھا

''ہمہ اوست'' سراج الدین ظفر کی غزل گوئی میں ایک نیا جلال و جمال ہے یہ آواز مانوس ہوتے ہوئے بھی بالکل نئی ہے یہاں حیاتیاتی حسن و جمال کو ایک ایسی بدمست نظر سے دیکھا گیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی ۔رندی و سرمستی اور حسن بینی کے یہ پیمانے نئے ہیں۔لیکن یہ پیمانے ایک سفر مسلسل کی رو میں ہیں۔ جو آخر اسی جمال مطلق سے جا ملتے ہیں جو واحد ہے ظفر نے اس فلسفے کی تشریح کرتے ہوئے زندگی کو ایک تیز رفتار صداقت کہا ہے جو فنا کے مجازی روپ میں بقا کی سرحدوں سے

الحاق کرلیتی ہے۔زندگی نورِ حقیقی کا ایک جزو ہے جو اس نور سے ہم آغوش ہو کر بقعہ نور بن جاتی ہے۔شوق اور غزال اسی تسلسل کا استعارہ ہیں۔

کل رات ناگہاں مئے و ساغر کے روبرو!
روح ازل سے روح مری ہم سخن ہوئی
اپنے محیطِ ذات میں گم ہوگئے جو ہم
اک ذاتِ بے کراں سے ملاقات ہوگئی
تکوینِ کائنات کا کوئی سبب تو ہے
شاید ترے جمال کا ردِ عمل ہوا
کھول کر بندِ قبائے گل رخاں
حمد ربِ لایزالی کیجئے !!
اس کے سوا کچھ اور نہیں رازِ کائنات
اک ذرہ جمال برافروختہ ہوا

ساغر و مینا

--------- ماجد الباقری

ڈاکٹر سلام سندیلوی ہند و پاک کے ایک اعتدال پسند نقاد اور محقق کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ "ساغر و مینا" ان کی ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۹ء تک کہی ہوئی نظموں اور غزلوں کا انتخاب ہے۔ اس کتاب کے عنوان سے صراحی اور پیانے کا ایک روایتی تصور ذہن میں آتا ہے جو آج تک ہماری محفل عیش و طرب کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کتاب سے "شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر" والی کیفیت بھرپور انداز میں ابھرتی ہے۔ اور اس طرح یہ عنوان خوابیدہ ذہنوں کے لئے صور بیداری کا کام کرتا ہے۔ اس مجموعے کے دو شعر ہیں۔

عیش کو اب بھول جا آرام کو اب چھوڑ دے
ساغر و مینا کو میخانے کے در پہ توڑ دے
یہ مانا ہے سلام ابتک غلام ساغر و مینا
جو موقع مل گیا لہرائے گا قومی نشاں اپنا

ان اشعار سے یہ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر سلام کو ذاتی عیش و نشاط سے زائد قومی اور ملکی آزادی کا خیال ہے ہر محب وطن شاعر یا شہری کی طرح ملکی آزادی میں سلام کا بھی بڑا حصہ ہے۔ ان کے رزمیہ لہجے میں مٹھاس اور سریلا پن ہے۔ جس سے وہ جابجا نوجوانوں اور ہم وطنوں کو چونکاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس انتخاب میں چونکہ وہ منظومات بھی شامل ہیں جو انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارے کے بعد کہی گئی ہیں۔ اس لئے ان میں حکومت کی ذمہ داری اور عوام کے حقوق و فرائض کا اعادہ بھی شامل ہوگیا ہے جو بہر طور ایک آزاد معاشرے کی فاخرہ ضرورت ہے

"ساغر مینا" میں ۵۴ نظمیں اور غزلیں صرف ۲۶ ہیں اس سے قاری کو بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلام نے اپنے اظہار خیال کا بہتر ذریعہ نظم کو سمجھا ہے۔

ان کی انفرادیت غزلوں میں بھی مستحکم ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔ ان سے جدید اور نئے قاری بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

موت بھی کم نہ کریگی ظلمت بخت آدمی
کالے کفن سے رات کے تربت غم ڈھکی گئی
کل جو چٹکی تو سمجھا انہوں نے دی آواز
مجھے فریب دیا ہر قدم پہ دنیا نے
بتارہی ہیں یہ بنتی بگڑتی تصویریں
خلش سی ذہن میں پائی جاتی ہے
اف بدگمانیاں دل مردم گزیدہ کی
یہ حال ہے میں اپنے ہی سائے سے ڈر گیا
خود کو پہچانا تو اپنی کھل گئیں آنکھیں سلام
آئینے میں دیکھ کر اپنے کو حیراں ہوگیا
ہمیشہ دور کے جلوے فریب دیتے ہیں
ہے ورنہ چاند بیاباں کسی کو کیا معلوم
کھایا کسی نے زہر تو پی لی کسی نے آگ
کچھ ہے نہ سبزہ زار نہ کچھ لالہ زار ہے
کیوں پھینکتے ہو جسم جو بے روح ہوگیا
خالی ہوا ہے جام تو پھر سے بھرے کوئی
جن کا نہیں تھا کچھ بھی تعلق خیال سے
پرچھائیاں کچھ ایسی بھی دیکھی ہیں خواب میں

غزلوں سے متعلق میں اور زیادہ باتیں نہیں کہنا چاہتا کہ

غزل کے نقاد اور قاری آج پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں موجود ہیں
سلام کی نظموں کو میں منظوم آپ بیتی کہنا چاہتا تھا لیکن میں یہ بات اس
لئے نہیں کہہ سکتا کہ جس دریا یا غم کو انہوں نے اپنی ذات کے اتھاہ سمندر
میں غوطے لگانے کے بعد ابھارا ہے وہ عالمگیر ہے اور ذاتی احساس فن
اور مقصدیت کی تمام راہیں عملی اور فکری افادیت کے گول چکر کے پاس
جمع ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے کہا کہ "قدرت کی طرف
سے سلام کو زندگی میں ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں جن کے سبب ان
کے کلام میں سوز و گداز پیدا ہو چکا ہے ایسا سوز و گداز جو اردو کے بہت
سے شاعر فرضی اور رسمی طور پر اپنے کلام میں پیدا کرتے ہیں" کتاب
کے مطالعے سے نہ صرف ان واقعات اور واردات قلبی کی صداقت کا
یقین ہوتا ہے بلکہ وہ حقیقی لے ابھی سنائی دیتی ہے جو سلام کی شاعری میں
پس منظر موسیقی کے مدھم سروں میں ابھرتی اور ڈوبتی رہتی ہے

اس مجموعے میں ان کی ایک معرکہ آرا نظم "پاگل کوے" بھی شامل ہے
جسے دیسی اور بدیسی ناقدین نے غم انگیز شاعری میں گرانقدر اضافہ قرار
دیا ہے۔ اس کے دو بند پیش کرتا ہوں جو میرے بیان کی کچھ گرہیں
کھولتے ہوئے اور سلام کی غم آگیں شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے
دکھائی دیں گے۔

اک باپ تھا بیلا باغ میں ہے جو زیر تربت برسوں سے
اک ماں جو گاؤں میں رہتی تھی ہے ساکن جنت برسوں سے
اک بھائی کہیں پردیس میں ہے جس سے ہے عداوت برسوں سے
اک دور کا ماموں ہے جس کو مجھ سے ہے شکایت برسوں سے
پھر کس کے آنے کا ہو گماں ہے کون یہاں آنے والا!
"پاگل کوے" مت بول یہاں ہے کون یہاں آنے والا!
اک چھوٹی بہن ہے ساتھ اپنے اور دو بہنیں سسرال میں ہیں
برسوں سے خبر ان کی نہ ملی کیا جانے وہ کس حال میں ہیں
آنا چاہیں تو آنہ سکیں، کچھ ایسے وہ جنجال میں ہیں!
ان کے شوہر مجھ سے بدظن ہیں، اور وہ شوہر کے جال میں ہیں
آئے گا اب کون یہاں ہے کون یہاں آنے والا!
پاگل کوے مت بول یہاں، ہے کون یہاں آنے والا!

یہ صرف شاعر ہی کی آپ بیتی نہیں ہے بلکہ آج کے بر سماجی
انسان کا المیہ ہے جسے سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ واقعات ہم پر
بیت رہے ہیں۔

ڈاکٹر سلام کو اردو، ہندی، فارسی اور انگریزی پر عبور حاصل
ہے۔ اس طرح زبان و بیان کی خوبیاں کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ
ان کی شاعری پہ بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ بہت ستھری اور معیاری
زبان استعمال کرتے ہیں۔ جو سامحات سے پاک ہے اور اشعار بالعموم
مترنم اور رواں دواں بحروں میں کہتے ہیں۔ ان کی شاعری کا غالب
رجحان رومان پسندی ہے اور منتہا اصلاحی و اخلاقی۔ سلام کے کلام میں
وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک فطری شاعر کی خصوصیات سے ہیں جگر
کا جذبہ عشق "الف لیلوی" ہے اور مبالغہ آمیز ہے جب کہ سلام کا عشق
حقیقی ہے اور دھرتی سے گہرا تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ سائنسی زمانے کی
ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے۔ اس لئے ان کے ہر جزئیہ بیان کی تہ سے
عزم و ارتقاء کی ایک کونپل پھوٹتی ہے اور پھر ایک تناور درخت کی طرح
سایہ کر لیتی ہے یہ سایہ ہی دراصل عمل و حرکت کا وہ ہیولا ہے جو انسان کو
خودکشی سے باز رکھتا ہے۔ اور زندہ رہنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اس لئے کہ
زندگی بہر طور ایک انمول امانت ہے۔

شمس الرحمن فاروقی نے کسی جگہ فیض کی بابت کہا ہے کہ فیض
کی شاعری پر اثر ہونے کے ساتھ غیر محتاط بھی ہے ان کے بہترین اشعار
میں بھی کھٹکتی ہوئی ترکیبیں قابل گرفت نظر نے ملے جلے استعارے اور

غزل کے نقاد اور قاری آج پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں موجود ہیں سلام کی نظموں کو میں منظوم آپ بیتی کہنا چاہتا تھا لیکن میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ جس دریا یا غم کو انہوں نے اپنی ذات کے اتھاہ سمندر میں غوطے لگانے کے بعد ابھارا ہے وہ عالمگیر ہے اور ذاتی احساس فن اور مقصدیت کی تمام راہیں عملی اور فکری افادیت کے گول چکر کے پاس جمع ہو جاتی ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے کہا کہ ''قدرت کی طرف سے سلام کو زندگی میں ایسے واقعات بی پیش آ چکے ہیں جن کے سبب ان کے کلام میں سوز و گداز پیدا ہو چکا ہے ایسا سوز و گداز جو اردو کے بہت سے شاعر فرضی اور رسمی طور پر اپنے کلام میں پیدا کرتے ہیں'' کتاب کے مطالعے سے نہ صرف ان واقعات اور واردات قلبی کی صداقت کا یقین ہوتا ہے بلکہ وہ حقیقی لے بھی سنائی دیتی ہے جو سلام کی شاعری میں پس منظر موسیقی کے مدھم سروں میں ابھرتی اور ڈوبتی رہتی ہے

اس مجموعے میں ان کی ایک معرکہ آرا نظم ''پاگل کوے'' بھی شامل ہے جسے دیسی اور بدیسی ناقدین نے غم انگیز شاعری میں گرانقدر اضافہ قرار دیا ہے۔اس کے دو بند پیش کرتا ہوں جو میرے بیان کی کچھ گرہیں کھولتے ہوئے اور سلام کی غم آگیں شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

اک باپ تھا بیلا باغ میں ہے جو زیر تربت برسوں سے
اک ماں جو گاؤں میں رہتی تھی ہے ساکن جنت برسوں سے
اک بھائی کہیں پردیس میں ہے جس سے ہے عداوت برسوں سے
اک دور کا ماموں ہے جس کو مجھ سے ہے شکایت برسوں سے
پھر کس کے آنے کا ہو گماں؛ ہے کون یہاں آنے والا!
''پاگل کوے'' مت بول یہاں؛ ہے کون یہاں آنے والا!

اک چھوٹی بہن ہے ساتھ اپنے اور دو بہنیں سسرال میں ہیں
برسوں سے خبر ان کی نہ ملی کیا جانے وہ کس حال میں ہیں
آنا چاہیں تو آ نہ سکیں، کچھ ایسے وہ جنجال میں ہیں!
ان کے شوہر مجھ سے بدظن ہیں، اور وہ شوہر کے جال میں ہیں
آئے گا اب کون یہاں ہے کون یہاں آنے والا!
پاگل کوے مت بول یہاں، ہے کون یہاں آنے والا!

یہ صرف شاعر ہی کی آپ بیتی نہیں ہے بلکہ آج کے ہر سماجی انسان کا المیہ ہے جسے سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ واقعات ہم پر بیت رہے ہیں۔

ڈاکٹر سلام کو اردو، ہندی، فارسی اور انگریزی پر عبور حاصل ہے۔اس طرح زبان و بیان کی خوبیاں کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ ان کی شاعری پہ بھی اثر انداز ہوتا ہے۔وہ بہت ستھری اور معیاری زبان استعمال کرتے ہیں۔جو تسامحات سے پاک ہے اور اشعار بالعموم مترنم اور رواں دواں بحروں میں کہتے ہیں۔ان کی شاعری کا غالب رجحان رومان پسندی ہے اور منتہا اصلاحی و اخلاقی۔سلام کے کلام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک فطری شاعر کی خصوصیات سے ہیں جگر کا جذبہ عشق ''الف لیلوی'' ہے اور مبالغہ آمیز ہے جب کہ سلام کا عشق حقیقی ہے اور دھرتی سے گہرا تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ سائنسی زمانے کی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے۔اس لئے ان کے ہر حزنیہ بیان کی تہ سے عزم و ارتقاء کی ایک کونپل پھوٹتی ہے اور پھر ایک تناور درخت کی طرح سایہ کر لیتی ہے یہ سایہ ہی دراصل عمل و حرکت کا وہ ہیولا ہے جو انسان کو خودکشی سے باز رکھتا ہے۔اور زندہ رہنے کا سلیقہ سکھاتا ہے، اس لئے کہ زندگی بہر طور ایک انمول امانت ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے کسی جگہ فیض کی بابت کہا ہے کہ فیض کی شاعری پر اثر ہونے کے ساتھ غیر محتاط بھی ہے ان کے بہترین اشعار میں بھی کھٹکتی ہوئی ترکیبیں، قابل گرفت فقرے ملے جلے استعارے اور

الفاظ کا غلط استعمال شعر کے میزانی تاثر کو مجروح اور اس کے جسم کو داغ دار کر دیتے ہیں''۔

میری ناقص رائے میں سلام کا کلام اس قسم کی غلطیوں سے مبرا ہے ۔سلام جذبے کے شاعر ہیں ۔فکر کی حیثیت ان کے یہاں ثانوی ہے ۔لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کا کلام فکر سے عاری ہے۔ وہ جہاں فکر و فلسفہ کے موضوعات باندھنا چاہتے ہیں وہاں بھی شعر جذبے کی بھٹی میں پکنے کے بعد تخلیق کی شکل اختیار کرتا ہے۔ان کا حساس دل، ارفع اخلاق، انسانی تقدس کی فضا میں سانس لیتا ہوا کردار ایسے شخصی لوازمات ہیں جو ماضی کی متحرک قدروں سے ہم آہنگ ہو کر ان کی شاعرانہ انفرادیت کو قائم و دائم بنا دیتے ہیں۔

فراق گورکھپوری نے کہا کہ سلام کی شاعری کا سہج سبھاؤ، اس کی مترنم کلامی سلام کا اور صرف سلام کا حصہ ہے''۔

اور رشید امجد کا کہنا ہے ''سلام کے یہاں علاقائی اثرات کی وجہ سے ایک منفرد تاثر پیدا ہو گیا ہے ۔جس نے ان کے ہم عصروں میں ان کی انفرادیت کو ابھارا ہے''۔

فراق اور رشید امجد کے بیانات حرف بحرف درست معلوم ہوتے ہیں ۔میرے خیال میں سلام پہلے شاعر ہیں جنہوں نے بالقصد ایرانی اور عربی تلمیحات اولفاظی سے گریز کیا ہے وہ بلبل، ہما، عنقا، اور شتر مرغ پر نیڑی (ایک آبی پرند) ہریل، چکور، کوئل، شاما، سارس، اور تیتر جیسے معروف اردو کے علاقائی پرندوں کے نام کو ترجیح دیتے ہیں۔

جوش کے یہاں جس طرح فارسی اور عربی الفاظ خیال کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، سلام کے یہاں سرل ہندی اور کومل بھاشا کے شبد سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے اچھل اچھل کر اوپر آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔سلام کی انفرادیت میں اس شعوری اور غیر شعوری کوشش کو بھی بڑا دخل ہے کہ وہ سموچے ہندوستان کے تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور سیاسی ورثے کو اپنی شاعری میں چابکدستی سے برتنے کے عادی ہیں ۔اس کے علاوہ منظر نگاری میں خارجی مظاہر کو تاریخ پر چسپاں کرنے اور تاریخ کو مظاہر میں بانٹ دینے کا سلیقہ بھی ان کا انفرادی ہے۔

سلام نے لیلیٰ مجنوں ۔شیریں فرہاد ۔وامق عذرا عیسیٰ صلیب اور کوہ قاف کی جگہ رادھا کرشن، ہیر رانجھا، سوہنی مہیوال، نل دمینتی، رام سیتا راون، لنکا، متھرا، سنجوگتا، خلجی، بسنت، پھاگن، ہولی اور آلہا وغیرہ کے وافر علاقائی خزانے کو جا بجا استعمال کیا ہے ان کے یہاں تلمیحات کی بندشیں کچھ اس طرح ہیں۔

تھا ایماں حسن کا جو دیکھ کر جلتی کڑھائی کو
نشانہ بڑھ کے ارجن نے بنایا چشم ماہی کو

شاید ان دو پھولوں میں ہے ایک سلیم اک نورجہاں
مینا بازار بناتے ہیں پانی میں دو مدہوش کنول

ایک جگہ چاند کو سیتا اور بادل کو راون سے تشبیہہ دے کر بند کو یوں ختم کیا ہے۔

وہ اس کی جانب بڑھتا ہے وہ اپنا بچاتی ہے دامن
آکاش پہ لنکا کا منظر دکھلاتے ہیں چاند اور بادل

(اے عمر ذرا آہستہ چل)

''ساغر و مینا'' میں شامل نظموں مین سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

میری غمگین نگاہوں میں سنسان ہیں یہ سارے منظر
بستی، وادی، دریا، صحرا، کہسار، چمن سورج تارے

(اپنے دیس کی شہزادی)

کسی پھول کو ایک پتہ چھپائے
ندی میں لئے جا رہا ہے بہائے!
یہ مشک پر جیسے سقہ بٹھائے

بھنور سے ہمایوں کو ساحل پہ لائے !
(تیری کمی ہے)

درختوں نے ملبوس کہنہ اتار رہے
نئی کونپلوں کے ہیں دلکش نظارے
مہکنے لگے آم کے پیڑ سارے
اتر آئے سرسوں کے پھولوں میں تارے
(بسنت)

سیاہیاں برس پڑیں فلک کی موج نیل سے
زمیں نے بھرلیا سبو شفق کی سرخ جھیل سے
(انتظار)

دوزخ سے آرہے تھے تپتے ہوئے جھکورے
سوکھے پڑے ہوئے تھے تالاب کے کٹورے
(گداگری)

عورتیں سڑکوں پہ جن کی پھر رہی ہیں بیقرار
کہنیوں پہ چیتھڑے سینے یہ کرتا تار تار
(برنا کی لاش)

پتے کھڑک رہے تھے ہوا کے خرام سے
ظلمت کے پر بکھرتے تھے بازو نے شام سے
(غلامی زنجیر)

پل بھر کے لئے پاگل رک جا گورکنا تیرا کام نہیں
میں بھرلوں میٹھے چشموں سے یہ اپنی مٹی کی چھاگل
(اے عمر ذرا آہستہ چل)

زندگانی کے یہ نشیب و فراز
جیسے جنگل میں دھوپ اور سایا
چاک کر کے تجاب طفلی کو!
رقص کرتا ترا شباب آیا
(پان کا شکریہ)

''ساغر و مینا'' کے مطالعے سے مجموعی تاثر یہ بنتا ہے کہ ڈاکٹر سلام سندیلوی نظم گو شاعر ہیں جن کے یہاں فطرت نگاری میں اردو کی علاقائی فضا ملتی ہے۔ہندی ساہتیہ سے قربت نے دھرتی کے ذائقے کو اور بھی سوندھا بنادیا ہے۔ان کے کلام کا یہی خاصہ انہیں اپنے ہم عصروں میں منفرد اور ممتاز حیثیت عطا کرتا ہے۔ایسی انفرادیت اسی وقت قائم ہوئی ہے جب کے شاعر نے اپنی دھرتی کی بو باس کو خلوص نیت سے اپنی سانسوں میں شامل کرلیا ہے۔
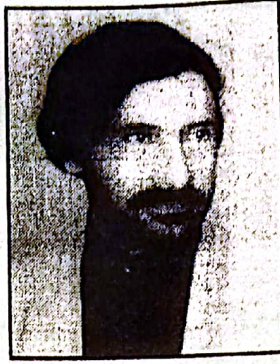
پروفیسر ڈاکٹر سید قاسم جلال

دل کا فرماں ہے کہ ماحول سے کٹ کر سوچیں
مصلحت کہتی ہے جذبات سے ہٹ کر سوچیں

دور لے جائیں نہ منزل سے یہ اندھے جذبے
آؤ اک بار پھر اک بار پلٹ کر سوچیں

کل تو سورج نہیں آئے گا سوا نیزے پر
شام کو پوچھتی ہیں مجھ سے لپٹ کر سوچیں

دل کا آئینہ کسی دور میں دھندلا نہ سکے
وقت کی دھول میں رہ جائیں نہ اَٹ کر سوچیں

جا کے قبروں کی مساوات کا منظر دیکھے
وہ جو کہتا ہے کہ طبقات میں بٹ کر سوچیں

یاد آتے ہیں کبھی جب وہ سلگتے جذبے
بین کرتی ہیں مرے ساتھ لپٹ کر سوچیں

میں نے تعبیر کے موضوع پہ جب غور کیا
لے گئیں خواب بھی آنکھوں سے جھپٹ کر سوچیں

دل میں ہر لحہ قیامت کا سماں ہو تو جلالؔ
کیسے آئیں کسی مرکز پہ بسمٹ کر سوچیں

حیات فریدؒ تریخ وار

نمبرشمار	تفصیل	سال ہجری	سال عیسوی
1	ولادت	26ذی الحجہ 1261ھ	1845ء
2	رسم بسم اللہ خوانی	1265ھ	1848ء
3	وفات والدہ ماجد	1265ھ	1848ء
4	ختم قرآن شریف	1269ھ	1852ء
5	وفات والد بزرگوار	1269ھ	1852ء
6	رہائش شاہی محل ڈیرہ نواب	1270تا1274ھ	1853تا1857ء
7	بیعت بدست خواجہ فخر جہان	1275ھ	1857ء
8	دستار فضیلت	1281ھ	1864ء
9	خرقہ خلافت	1287ھ	1870ء
10	وفات خواجہ فخر جہاں	1288ھ	1871ء
11	رسم دستار بندی	1288ھ	1872ء
12	روانگی حج بیت اللہ شریف	21شوال 1292ھ	1875ء
13	قیام ملتان حاضری مزارات	23-24 شوال"	"
14	رسیدگی لہور حاضری مزارات	27شوال"	"
15	رسیدگی دہلی"	یکم ذیقعد"	"
16	رسیدگی جے پور۔اجمیر	5ذیقعد"	"
17	دستار بندی اجمیر شریف اچ	7ذیقعد"	"
18	روانگی جہاز سفر حجاز	12ذیقعد"	"
19	رسیدگی جدہ	یکم ذی الحجہ"	"
20	رسیدگی مکہ شریف	2ذی الحجہ 1292ھ	1875ء
21	قیام مکہ شریف	21ذی الحجہ 1292ھ	"
22	روانگی مدینہ شریف	22ذی الحجہ 1292ھ	"
23	رسیدگی مدینہ شریف	5محرم الحرام 1293ھ	"
24	واپسی چاچڑاں	14ربیع الاول 1293ھ	1876ء
25	بیعت نواب قیصر خان	11محرم الحرام 1294ھ	1876ء
26	رہائش روہی (غیر مسلسل)	1293تا1311ھ	1876تا1893ء
27	بیعت محمد صادق خان	11محرم 1298ھ	1881ء
28	اشاعت دیوان فرید (سرائیکی اردو) مطبع قادری لہور	1299ھ	1882ء
29	تعمیر فرید محل	1313تا1314ھ	1894تا1896ء
30	شادی خواجہ محمد بخش نازک	1313ھ	1895ء
31	زیارت روضہ رکن الدین ابوالفتح ملتانی	17ربیع الثانی 1314ھ	1896ء
32	زیارت روضہ بہاوالحق ملتانی	23ربیع الثانی 1314ھ	"
33	زیارت مزار موسیٰ پاک شہید	"	"
34	وفات حسرت آیات	6ربیع الثانی 1319ھ	1901ء

محترم جناب علامہ اجمل مزاری صاحب

السلام علیکم!

برصغیر پاک وہند کے عظیم صوفی اور مشہور روحانی پیشوا سلطان العاشقین حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے عرس مبارک کی صد سالہ تقریبات جو کہ منعقدہ 26 تا 30 جون کوٹ مٹھن شریف میں منائی گئیں جن میں ملک بھر سے لاکھوں زائرین عظیم صوفی شاعر اور برصغیر پاک وہند کے روحانی پیشوا کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے دربار فریدؒ پر حاضر ہوئے۔ اس موقع پر آپ کے اخبار/جریدہ نے جو خصوصی ایڈیشن شائع کیا ہے اس کو عقید تمندان فریدؒ نے بے حد سراہا ہے اور پسند کیا۔ میں ذاتی طور پر اور خواجہ فریدؒ فاؤنڈیشن کی طرف سے آپ کا شکرگزار ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ آئندہ بھی سلطان العاشقین حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے بارے میں آپ کا ادارہ مضامین اور خصوصی ایڈیشن شائع کرتا رہے گا۔

والسلام

آپ کا خیر اندیش

خواجہ معین الدین محبوب

سجادہ نشین دربار سلطان العاشقین

حضرت خواجہ غلام فریدؒ

سئیں علامہ اجمل مزاری سئیں شالا خوش پئے وسو

السلام علیکم!

امید ہے جو تساں ٹھیک ٹھاک ہوسو۔

"مرجات" دا نواں شمارہ مل گئے۔ تھورائیت ہاں۔

ماشاءاللہ "خواجہ فرید نمبر" مواد تے معیار دے حوالے نال بہوں سوہناں، دل چھک تے یادگار دستاویز ہے۔ تہاڈا اے علمی تے ادبی پورہیا ہمیشہ یاد رکھیا ویسی۔ "مرجات" کیتے ہک اردو تے ہک سرائیکی غزل بھجیندا پیاں۔ دوستاں تے سنگتیاں کوں میڈا نیازمندانہ سلام

تہاڈا آپناں

قاسم جلال

محترم سائیں علامہ اجمل مزاری

صاحب خوش وسوپئے (آمین)

بعد دعا سلام دے عرض اے طالب خیریت خیر نال عرض اے تہاڈے توسط نال شائع شدہ فرید نمبر جیرھا سراسر علمی ادبی تحقیقی نگارشات نال بھریا چتریا "مرجات" مل گئے۔ عالم فاضل لوکاں دے بہترین مضامین جنہیں وچ تمام صاحب مضمون لوک قابل تعریف ہن۔ پڑھ تے علم وچ ودھارا تھیا۔ لگدے اے سب کجھ تہاڈی محنت اتے عشق فریدؒ دا نتیجہ اے تہاڈی شابس ہے اساں جہیں ان جان بے سمجھ لوکاں کوں نال رلائی وددوتے سلاڑھی ودوا تے قطاری ودو۔ کتھاں سجادہ فرید محبوب سائیں دی لکھت کتھاں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ دے حوالے۔ ول سید انیس شاہ جیلانی۔ بھل بھل قیس فریدی۔ انیس دین پوری صاحب دی وکھری تحریر۔ سائیں دی تحریر۔ حضرت خواجہ غلام فرید دے نام تے کلام دا استحصال۔ ول سرائیکی مجاہد تے مولانا نذیر الحق بلوچ صاحب دی عالمانہ تحریر ایں طرح سب دوستاں دیاں تحریراں "مرجات" دے حوالے نال کیتے سرمایہ ہن۔ جے سچ پوچھدو

تاں مرجات ایں دور وچ سرائیکی وسیب تے سرائیکی دی بہترین علمی ادبی خدمت وچ مصروف ہے۔ جیکوں دل، والے سمجھ سگدن اتے تہاڈی اے بھج دھرک ہمت ساڈیں تحریریں کوں جاہ ڈے تے ساکوں مل گھن گھدے۔
میڈے قطع مطابق

جذبے ساڈے گل گھن گھندے
جوڑ تے ساکوں پھل گھن گھندے
کمتر ساڈا سجن ساکوں
کہیں کہیں ویلھے مل گھن گھندے

اللہ کریسی تہاڈی ساڈی اے ادبی سانجھ مستقل رہ ویسی (آمین) عرض اے بندہ کجھ نہ کجھ سرائیکی حوالے نال لکھ پڑھ وچ مصروف اے رہندے۔
کجھ کتاباں ضرور شائع تھن۔ ہن ہی کتاب انشاء اللہ ''وطن وسدیاں قوماں ذاتاں'' چھپن دے مرحلے وچ ہے۔ لیکن کجھ دیر ضرور اے۔ ایں کتاب وچ کوئی 1600 اقوام ذاتاں دے ناں بلحاظ حروف تہجی موجود ہن۔ اتے کوئی 400 اقوام دا تعارف موجود ہے ضخامت 400 صفحات تئیں تھی ویسی۔ وڈے حرج تے خرچ دی ضرورت اے۔ دعا کرو اللہ کوئی ذریعہ جوڑے (آمین)

محترم مقبول دھریجہ صاحب کو سلام

قطعہ

تڑکوں مرشد بھاہ لگ ویسی
دھڑکوں مرشد بھاہ لگ ویسی
اساں کمتر جے کرنچسوں
پڑکوں مرشد بھاہ لگ ویسی

جمشید احمد کمتر احمدانی

(نوٹ) کمتر صاحب اپنی زیر طبع کتاب دے بارے اچ بعض مشورے طلب کیتن انشاء اللہ بذریعہ خط بھیج ڈیساں (ایڈیٹر)

القابات و خطابات

لقب	نام
ابوالبشر	حضرت آدم علیہ السلام
آدم ثانی	حضرت نوح علیہ السلام
کلیم اللہ	حضرت موسیٰ علیہ السلام
خلیل اللہ	حضرت ابراہیم علیہ السلام
ذبیح اللہ	حضرت اسماعیل علیہ السلام
ابوالانبیاء	حضرت ابراہیم علیہ السلام
اسرائیل	حضرت یعقوب علیہ السلام
خطیب الانبیاء	حضرت شعیب علیہ السلام
نجیب اللہ	حضرت داؤد علیہ السلام
صدیق اکبر	حضرت ابوبکرؓ
فاروق اعظم	حضرت عمرؓ
ذوالنورین	حضرت عثمانؓ
فاتح مصر	حضرت عمرو بن العاصؓ
شیر خدا	حضرت علیؓ
سیف اللہ	حضرت خالد بن ولیدؓ
یار غار	حضرت ابوبکر صدیقؓ
شاعر رسولؐ	حضرت حسان بن حارثؓ
خاتون جنت	حضرت فاطمۃ الزہرہؓ
حبیب رسولؐ	حضرت زید بن حارثؓ
محبوب الٰہی	حضرت نظام الدین اولیاءؒ
غوث اعظم	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
شیخ الہند	حضرت شیخ سلیم چشتیؒ
طوطی ہند	امیر خسروؒ
سب سے بڑا ڈرامہ نگار	ولیم شیکسپیئر
قائداعظم	محمد علی جناح
رئیس الاحرار	مولانا محمد علی جوہر
شہید ملت	خان لیاقت علی خان
شیر میسور	سلطان فتح علی ٹیپو

(خالد اقبال ملک)

جامعہ ھذا کا نصاب تعلیم مکمل دینی علوم پر مشتمل ہے۔ جس میں تفسیر، حدیث نبویؐ، فقہ حنفی، فاضل عربی کے علاوہ قرآن پاک حفظ و تجوید کے ساتھ پرائمری تک مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ اس وقت جامعہ میں مقامی و بیرونی دو صد طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ جامعہ کے سالانہ اخراجات علاوہ تعمیرات سات لاکھ سے متجاوز ہیں۔ کوئی مستقل آمدن نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ رب العزۃ کے فضل و کرم سے اور آپ جیسے مخلص حضرات کے تعاون سے پورا کیا جاتا ہے۔

ہماری خواہش ہے کہ آپ ایک مرتبہ جامعہ کا وزٹ ضرور کریں۔

چشم ما روشن دل ما شاد

الداعی الی الخیر صاحبزادہ قاضی خلیل الرحمان سراجی مہتمم جامعہ

کوٹ مٹھن۔ عظیم صوفی شاعر خواجہ غلام فریدؒ کے صد سالہ عرس کے موقع پر منعقد نیشنل سیمینار سے مخدوم شاہ محمود قریشی عمران خان اور مخدوم جاوید ہاشمی خطاب کر رہے ہیں انکے ساتھ سجادہ نشین خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ بیٹھے ہیں